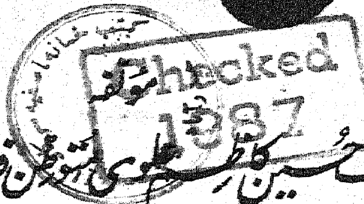
اُردُو

گنجِ شائگاں



مؤلفہ

سیّد الطاف حسین کاظم علوی متوطن فریدآباد ضلع دہلی
اتالیق ولیعہد بہادر فرمانروائے لُہارُو دام اقبالہم و اجلالہم

سیّد سعادت علی صاحب خلف السّعید حاجی حافظ سیّد علی صاحب دہلوی
مدفون مدینہ منوّرہ نے

سنہ ۱۸۹۳ع

اسلامیہ پریس لاہور میں کرم بخش کے اہتمام سے چھپوایا

شب چراغ

یہ پہلی کتاب اپنے رنگ میں بھی پہلی ہے۔ بازار کی چہل پہل۔ خرید فروخت کی باتیں۔ برسات کی بہار۔ صبح کا سماں۔ شام کی اُداسی۔ باغ کی گلگشت سبزہ زار کی کیفیت۔ دریا کا نظارہ۔ دوستوں کی ملاقات۔ روز کی صحبتیں ضیافت کے تکلفات۔ سیر و شکار۔ ساتھ ساتھ گریمر کی ترتیب۔ جامد و مصدر کی تفریق۔ مصدر کے مشتقات۔ حروف کے اقسام الفاظِ حسنِ کلام جو فصاحت کی جان ہیں جو [illegible] چھوٹے برجستہ فقرے ایران کے روزمرہ میں اس طرح لکھے ہیں کہ مبتدی [illegible] اور منتہی کو قواعد بھی بتائیں۔ جدت زبان کا خیال رکھا ہے کہ مقصود یہی تھا۔ نیچرل میں ہیں کہ حقیقت و صداقت دکھائیں۔ سوشیل خیالات ہیں کہ اخلاق سکھائیں۔ بس بالکل انگلش پرائمرس کا ڈھنگ ہے۔ اگر پبلک نے حوصلہ بڑھایا۔ تو میرا ارادہ ہے کہ اسی طرز میں چھوٹے چھوٹے حصے لکھوں۔ اور ریڈروں کی طرح اخلاق و طبعیات ریاضیات کے دلچسپ مسائل بیان کروں۔ گو فارسی عربی کا ورق اُلٹ گیا اور آتش پارسی کجلا گئی لیکن ابھی تک مے صفاہانی کے [illegible] شراب شیراز کی جھلکیاں ہماری آنکھوں میں پھرتی ہیں۔ کیا عجب ہے [illegible] حسب مراد ختم کر سکوں۔ اور کوئی [illegible] قوم محب وطن مسلمان عربی کا سلسلہ اسی طرح شروع کرے ٭ قیمت بلا محصول ۲ر

نیاز کیش سید الطاف حسین کاظم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

خدا در انتظارِ حمدِ ما نیست محمدؐ چشم بر راہِ ثنا نیست
محمدؐ حامدِ حمدِ خدا بس خدا مداحِ شانِ مصطفٰےؐ بس

دنیا میں سب سے زبردست طاقت علم کی ہے صحیفۂ فطرت کے صفحے اس کے کارناموں سے سیاہ ہیں۔ انسانی ترقی کی من موہن پری جس اوج پر اڑ رہی ہے اس کے پروں میں بھی علم کا ہی زور ہے۔ یہ وہ تہمتن ہے جس نے سٹیم کے دھوئیں اڑا دیئے اور اس کالے دیو کو ایسا زیر کیا کہ چاہا بوجھ اُٹھوایا چاہا چکی پسوائی۔ یہ وہ باکمال ہے جس نے ہیلوں میں بٹھا کر خاک کے پتلے کو آسمان کا تارا کر دیا۔ اس عامل نے بجلی کی لال پری کو ایسا شیشے میں اُتارا کہ اُنگلیوں پر نچایا۔ اور پیامبری کرائی۔ سورج دیوتا سے کوئی آنکھ نہیں ملا سکتا

یہ اُس کے گھر کا بھی بھیدی بنا۔ آسمان دنیا کے سر پر چڑھ رہا تھا۔ اور ناز سے زمین پر پاؤں نہ رکھتا تھا۔ شاعروں نے تو باندھا ہی تھا۔ اس نے نیست و نابود ہی کر دیا۔ اس کی نظر دور بین سے مشتری کو چار چاند لگے غرض زمین آسمان میں علم کا ظہور ہے۔ ملک کا عروج و زوال سلطنت کا ادبار و اقبال علم کے قدر و کمال پر منحصر ہے۔ جہاں علم کا علم بلند ہوا اقبال کا پرچم لہرایا۔ عروج نے قدم لئے۔ کامیابی نے تمناؤں کے پھول برسائے۔ اور ترقی مراد کا گلدستہ لئے ہوئے آگے بڑھی۔ زہے نصیب اس ملک کے جہاں علم کی عملداری ہو اور حکمت حکومت کرتی ہو۔

اگرچہ افلاس کا نسخہ مغز فلوس اور شربت دینار بتاتے ہیں لیکن علم سا حکمی علاج نہیں علم آبحیات ہے جس کا چشمہ روشنائی کی تاریکی میں ہے۔ علم دُرِیتیم ہے جو دریائے الفاظ کی تہ میں ملتا ہے اور حرفوں کی سیاہی میں نقطوں کے ذرے بنکر چمکتا ہے۔ جو زبان علموں سے مالا مال ہے وہ بحر العلوم ہے اسکی نورانی موجیں چشمۂ آفتاب پر آنکھ مارتی ہیں۔ اُس کا جذر و مد دنیا کو نہال و پامال کرتا ہے۔ زبان کا خزانہ جس قدر جواہرات علمی سے معمور ہوتا ہے۔ اتنا ہی ملک سے افلاس و ادبار دور رہتا ہے۔ گویا زبان ایک میدان ہے۔ جس میں علم کے جوہر کھلتے ہیں۔ یا ایک مقیاس ہے جس پر ترقی کے درجے بنے ہوئے ہیں۔ یا یوں کہو کہ زبان ڈاک ہے اس میں علم کے ہمدان ہرکارے ہیں۔ جو کچھ قسمت سے پہنچتا ہے۔ اس کے ذریعے سے پہنچتا ہے۔

اس موقع پر جب ہم اپنی طرف دیکھتے ہیں تو زبان کی تہیدستی سے کف افسوس

جلتے ہیں۔ آرزو نکا خون ہو جاتا ہے! ورہمدردی کی آنکھیں آنسو بہاتی ہیں کہ زبان ترقی کی معیار۔ اور زبان کا یہ حال!! لیکن گورنمنٹ کا التفات آنسو پونچھتا ہے! اور اس کی مسیحائی مردہ امیدوں میں جان ڈالتی ہے کیا عجب ہے کہ ہمارے ستارۂ اقبال کی مبارک ساعت ہو۔ سب جانتے ہیں کہ اگرچہ آلات ایجاد و قواعد سے علم خود سلطنت پر بادشاہت کرتا ہے۔ لیکن "ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند" حکومت عجب شے ہے۔ دفعتہً وہ کایا پلٹ کر دیتی ہے جو سالہا سال میں دشوار ہے۔ اور لطف یہ کہ سب اسی پر آنکھوں سے صاد کرتے ہیں۔ اُس کا رد رد ہے اور اُس کا قبول قبول ✤

چنانچہ گو اردو اسلامی لشکر میں پیدا ہوئی۔ مسلمانوں کی گود میں پلی لیکن سلطنت میں فارسی کا سکہ جما ہوا تھا۔ نہ شاہان مغلیہ نے کبھی اس کو مہر کی نگاہ سے دیکھا۔ نہ آتش پارسی کے آگے اس کا چراغ جل سکا۔ جو دربار میں بار پاتی۔ اس طرح اس کی ابتدائی تعلیم خراب ہوگئی۔ اور ترقی چند خیالات میں محدود رہ گئی۔ آخر زمانہ نے پہلو بدلا۔ اور اردو کی قسمت نے آنکھ کھولی۔ بابرکت قوم انگریز نے اس ہونہار بچے کا ہاتھ پکڑا۔ اور بازار سے اُٹھا کر دربار میں لا بٹھایا۔ جو ہر قابل تھا۔ دن بدن رنگ بدلنے لگا۔ چند روز میں خط و کتابت دفتر و دربار تمام کاروبار میں اس کا عمل دخل ہو گیا۔ اخبار نکلے۔ کتابیں تصنیف ہوئیں۔ ترجمہ کئے گئے۔ گریمر تیار ہوئی۔ گورنمنٹ نے بھی اس کو آنکھ کی پتلی نور کا تارا ہی رکھا۔ ہزاروں روپے انعام اکرام دئے۔ جوں جوں اس کا قدم بڑھتا رہا دل بڑھاتی رہی۔ انتہا یہ کہ پانچ برس ہوئے امتحان

نیز بان اردو کو لازمی ٹھیرا دیا۔ پھر کیا تھا سب اس طرف جُھک پڑے
کہیں گلزار اردو تیار ہوا۔ کہیں بہار اردو دکھائی گئی۔ کسی نے لکچر دیئے
کسی نے لغت جمع کیے۔ غرض خوب اردو کا طُوطی بولا۔ اور ان کتابوں کی
ایسی ریز ہوئی کہ جو لکھ سکا لکھے بغیر نہ رہا۔ یہ زمانہ تاریخ اردو میں گویا معراج
ترقی تھا جتنی کتابیں نکلیں۔ سب پبلک کی ضرورت نے مقبول کیں۔
اور جب گھر گھر سرکاری کورس نہ چھپے۔ بلا امتیاز ہاتھوں ہاتھ بکیں۔ میں نے
بھی اُسی زمانہ میں یہ کتاب لکھی تھی۔ "ارمغان احباب"۔ اس کا تاریخی نام تھا
لیکن اُنگلی کٹا کر شہیدوں میں کیونکر مل سکتا تھا۔ ہرچند کوشش کی
کتاب نہ چھپ سکی آخر "رضینا برضاء اللہ" خاموش ہو رہا ✣

چونکہ علت غائی اس تالیف کی محض خلوص و اخلاص تھا طبیعت کو
ایک لگن لگی ہوئی تھی۔ برابر حرکت مذبوحی کیے جاتا تھا۔ جو کتاب نکلتی
تھی شوق سے لیتا تھا۔ اور ذوق سے دیکھتا تھا پڑھتا تھا اور خوش ہوتا تھا
ہر کتاب کو بالاستیعاب دیکھا۔ اور موازنہ کیا۔ سب کی منزل مقصود ایک
تھی۔ اور طریق مختلف۔ گورنمنٹ کا منشاء تھا کہ مڈل ڈیپارٹمنٹ میں ایسے
کورس مقرر ہوں۔ جو زبانِ دانی کے ساتھ اخلاق سکھائیں۔ ریاضت کی ترغیب
دیں تاریخ کی معلومات پیدا کریں۔ یا کم از کم خط و خال فراق و وصال کے
عاشقانہ خیالات سے پاک ہوں۔ زبان بھی نہ ایسی روکھی پھیکی بے مزہ ہو
کہ پڑھنے سے جی اُکتا جائے۔ نہ ایسے باریک و نازک استعارات۔ اور
پیچ در پیچ خیالات ہوں کہ کتاب معمائے تحقیق بن جائے۔ بلکہ اصل مضامین پر

تشبیہ کے آئینے اصلاح کا رنگ ۔ صنائع بدائع کے گل پھول ایسی ندرت
و لطافت کے ساتھ ہوں ۔ کہ خیالی تصویریں منہ سے بول اٹھیں ؛
سب نے اس پر زور مارا ۔ نئے نئے رنگ سے کتابیں لکھیں ۔ اور حق یہ ہے
کہ کوشش کا حق ادا کر دیا لیکن افسوس کسی کا رنگ نہ جما ۔ بلکہ انصاف سے
دیکھئے تو خود سرکاری کورس ناکامی کے حرفوں سے سیاہ پوش ہیں ۔
اور اردو کا ضعف فطرت کہتا ہے کہ ضرور ایسا ہونا چاہئے تھا ؛

اس میں کچھ شک نہیں کہ سر سید بہادر کی سحر کار تقریریں ۔ مولانا
نذیر احمد صاحب کی شوخ برجستہ تحریریں ماسٹر ذکاء اللہ صاحب کے
ذخائر تصنیفات ۔ جناب حالی کے قومی مرثیے ۔ مولوی شرر کے دلگداز
مضمون ۔ دلکش و دلچسپ ناولیں ۔ حضرت آزاد کی جادو بھری صدائیں ۔
قبول عام کی سند پا چکی ہیں ۔ اور یہ بزرگان قوم آسمان شہرت کے تارے
ہیں ۔ ان کے قلم سے موتی زبان سے پھول جھڑتے ہیں ۔ لطف زبان طوطی
و بلبل کی طرح قدرتی لیکر آئے ہیں ۔ ان کی گرمی کلام نے اردو میں نئی روح
پھونک دی ہے ۔ زبان کا منہ نہیں کہ ان کے احسان سے سر اٹھا سکے ۔
بلاشبہ یہ جو کچھ لکھتے خوب لکھتے ۔ لیکن ان کو اتنی فرصت کب تھی ۔ کہ
مرصع زیوروں کو چھوڑ کر تنکوں کا کھیل کھیلتے ۔ اس طرف ملتفت نہ ہوئے
اور جن دلسوز رفیقوں نے اس کام پر ہاتھ بڑھایا ۔ ان میں وہ بات کہاں ؟
وہ ایسی قادر الکلامی کہاں سے لاتے کہ حالی و شرر کی طرح نظم و نثر میں جان
ڈالتے ۔ یا جناب آزاد کی طرح انہیں تشبیہہ استعاروں میں دلاویز بندشوں میں

ایسا رنگ پیدا کر دیتے جسے سُنکر کبھی مُنہ سے واہ نکلتی اور کبھی دل سے آہ ✤

یہی چند موہنی مُورتیں مُلک کا سرمایۂ فصاحت و بلاغت ہیں۔ کچھ اُن کے جدید کمالات کچھ قدیم خیالات شعرا کی اصطلاحات روزمرّہ کے محاورے شرفا کی بولچال۔ عوام کی ضرب الامثال جمع کر کے ایسے گلدستے بنائیے جن میں رنگ برنگ پھول تھے اور بس۔ کوئی خاص سلیقہ ترتیب و ترکیب کا نہ تھا۔ اس سے کتابیں گو عام پسند ہو گئیں۔ مگر اہلِ نظر جانتے ہیں۔ جہاں اخلاق کے جوہر جگمگائے ہیں وہاں نہ زبان مدّھم پڑ گئی ہے اور اگر اس کا خیال رکھا ہے تو فقط باتیں ہی باتیں رہ گئی ہیں۔ یا زبان کے اصلی جوہر اُبھر آئے ہیں۔ اور جدّت و حقیقت کی ہوا کھاتے کھاتے تنگ و تار کوچۂ یار و صحنِ گلزار میں جا پڑے ہیں ✤

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اردو زبان پر علم و اخلاق کا رنگ چڑھانا گویا قلب ماہیت کرنا ہے۔ یہ ایک دشوار گزار سنگلاخ میدان ہے اس میں قدم مارنا انھیں شہسواروں کا کام ہے جن کا گرد راہ آج ہماری آنکھوں کا سُرمہ ہے۔ اور سو برس بعد زمانہ مُڑ مُڑ کر نگاہ حسرت سے اُن کو دیکھیگا۔ اور افسوس کہ نہ پائیگا ✤

یہ مدّعا نہیں کہ اور کتابیں ناقص ہیں اور میری کتاب اس عیب سے پاک ہے میں جانتا ہوں جو اوروں پر عیب لگاتا ہے وہ اُن پر دعوے کرتا ہے۔ اور آپ اقبال کرتا ہے۔ دراصل یہ سب کی طرف سے عذر معقول ہے اور ساتھ اپنا

بھی۔ نہ کہ تعریفیں۔ حاشا وکلا مجھ بے ہنر کی کیا مجال کہ کسی پر تشنیع و تفضیح کروں!!

معترز معاصرین میں بڑے بڑے باکمال ہیں۔ جو دولت وعلم سے مالا مال ہیں۔ ذہن نقاد و طبع حداث رکھتے ہیں۔ اور میں دونوں میں تہیدست!! انکی مہینے دو مہینے کی توجہ اشاعت کتب کے واسطے کافی ہوتی ہے۔ میں کتاب لکھنے بیٹھا۔ تو پانچ برس تک بے مقدوری نے نہ چھپنے دی۔ اتنا ہی ہے جو ہری نے زیر ترمیم رکھا۔ کبھی ضرورت نے کوئی مضمون بڑھایا۔ کبھی مصلحت نے کوئی جز گھٹایا۔ وقت کی صلاح اور زمانہ کی اصلاح سے کتاب اسی حکمت فلک میں رہی اور مدت گزر گئی۔ لیکن قربان اس کی قدرت کے جس نے زہر مار میں آبحیات کی تاثیر بخشی۔ اور زقوم و حنظل سے بھی میٹھے پھل پیتا ہے۔ اور برائی میں سے بھلائی نکالتا ہے۔ گو کتاب اُس وقت نہ شائع ہو سکی مگر اس تغیر و تبدل میں پہلے سے بدرجہا بہتر ہو گئی۔ اور وہ ناکامی دار وئے تلخ نکلی۔ پہلے طلبا کے واسطے مخصوص تھی اب مڈل کورسوں نے وہ تخصیص اُٹھا کر تعمیم پیدا کر دی۔ تاکہ مفید عوام اور مقبول خواص ہو جائے۔ طلباء کو زبان سکھائے۔ شعرا کو عروض بتائے۔ اہل زبان کی رفیق تفریح ہو۔ اہل مذاق کی انیس و جلیس بنے۔ مورخوں کو تاریخ کا سرمایہ دے۔ شائقین انشاء کو منشی کامل بنائے۔

اس پانچ برس میں اردو لٹریچر پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں کسی میں علم و اخلاق کو بھرا تو زبان کی مطلق پرواہ نہیں کی۔ کسی نے زبان کے مزہ

بحث سے نکات مفید اور کلام اساتذہ کو قلم انداز کر دیا۔ اور ذوق۔ داغ۔
یا شہیدی کے اشعار پر بس کی جس شرح نگار نے غوامض و دقائق کو حل کیا۔ اور
کتاب کو حاوی اور جامع بنایا تو انتشارِ مضامین و اختلاف مطالب سے
ساری کتاب ضمیمہ بنگئی۔ میں نے ان سب باتوں کو لیا۔ لیکن اختصار و ترتیب کے
ساتھ۔ بلکہ مخففات کتابت۔ مستثنیات قواعد۔ لوازم عبارت۔ مخترعات نظم
ان کی تاریخ کے ساتھ اُن سے علاوہ لکھے۔ تاکہ کتاب مختصر و مفید اُن سے زیادہ
ہوجائے۔ نثر میں بھی زیادہ وہی جمع کیں جو زبان و معانی دونو طرح مفید زبان
ہیں۔ اور نظم میں متقدمین کا کلام سادہ اور بیساختہ ہوتا ہے اس میں فصاحت
و صحت زیادہ اور ملاحت بقدر نمک ہوتی ہے۔ متاخرین میں اس کے برخلاف
بلاغت و دقت الفاظ کی شرکت تشبیہات میں ندرت ہوتی ہے۔ میں نے
تمام اساتذہ کا کلام لیا۔ اور دونو کو شیر و شکر کیا۔ تاکہ طبیعتیں سلیس پسند اور
دقیق فہم ہو جائیں۔ مضمون آفرینی اور خیال بندی متاخرین سے لیں۔ ادائے
مطلب لطف زبان و حسن بیان کے ساتھ قدما سے سیکھیں۔ اس کوشش
پر بھی کتاب معمولی ہو تو عجب نہیں۔ میری ناقابلی اس کی مقتضی ہے اور اگر
سب سے بہتر ہو تو فخر نہیں ؎ نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول

سید کاظم

نیرنگِ خیال

تماشا گاہِ عالم میں جو اہلِ نظر ایک نگاہ سے میدان ماضی اور ایک سے حال و استقبال کی سیر دیکھ رہے ہیں انہیں صاف نظر آتا ہے کہ ملک ہمارا عنقریب ایک آفرینش جدید کے وجود میں قالب تبدیل کیا چاہتا ہے نئے نئے علوم ہیں ۔ نئے نئے فنون ہیں ۔ سب کے حال نئے ہیں ۔ دل دل کے خیال نئے ہیں ۔ عمارتیں نئے نئے نقشے کھینچ رہی ہیں ۔ رستے نئے خاکے ڈال رہے ہیں ۔ اس طلسمات کو دیکھ کر عقل سا حیران ہے مگر اسی عالم حیرت میں ایک شاہراہ پر نظر جاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ رسول آفرینش تہذیب کی سواری شاہانہ چلی آتی ہے ۔ ہر شخص اپنی اپنی ویرانہ کو جھاڑ بہار رہا ہے ۔ اور جس حال میں ہے اُس کی پیشوائی کو دوڑا جاتا ہے ۔ جو نقشے کھنچ رہے ہیں اور جو بنیادیں پڑ رہی ہیں اگرچہ ابھی تک کچھ اصل نہیں رکھتے لیکن جو نظر باز تجربہ کی عینک سے دیکھ رہے ہیں وہ سمجھ رہے ہیں کہ اب وہ وقت آپہنچا ہے کہ یہ بنیادیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں گی ۔ اور آبادیاں روئے زمین پر چھا جائینگی وہ بنیادیں کیا ہیں ؟ اور نقشوں سے کیا مراد ہے ؟ ہاں نقشے کتب علوم و فنون ہیں ۔ اور بنیادیں تصانیف بو قلموں کہ جو کچھ سود و بہبود ہماری قسمت میں ہے انہی پیمانوں اور اندازوں پر ہمیں ملیگا ۔

اب تک اس ملک نے اپنی غریب حالت کے بموجب بہت سا سرمایہ تصنیف

کا بہم پہنچایا۔ اور آج سے پچاس ساٹھ برس پیچھے مڑ کر دیکھیں تو ہمارے عام مطالب واغراض بلکہ بات بات میں زمین آسمان کا فرق آگیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ علوم وفنون انگریزی جس طرح ہمارے لباس مکانات حالات خیالات اور معلومات سابقہ میں ترمیم کر رہے ہیں۔ اسی طرح اس کی انشاپردازی بھی ہمارے انشاء میں اصلاح دیتی جاتی ہے۔ لیکن علم زبان میں اس فرق کا امتیاز کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ جنہیں اس کا مذاق ہے وہی سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہمارے ہاں جو کچھ اُردو کا رنگ نکلا تھا۔ سبزہ خودرو کی طرح نکلا تھا خاص وعام کے دلوں کی اُمنگ تھی۔ جدھر جھک گئی اُدھر جھک گئے۔ خاص شخص کی یا خاص اصول کی کوشش نہیں ہوئی۔ اور اب تک یہ حال ہے کہ تاریخ۔ فروع ریاضی وغیرہ اکثر علوم کی کتابیں ترجمہ اور تصنیف ہوئیں۔ مگر فن انشاء کی طرف کسی نے خیال نہیں کیا۔ زبان اُردو ایک لاوارث بچہ تھا کہ اُردوئے شاہجہانی میں پھرتا ہوا ملا۔ کسی کو اس غریب کے حال کی پرواہ نہ ہوئی۔ اتفاقاً شعراء نے اُٹھالیا اور محبت سے پالنا شروع کیا۔ اس نے انہی کے کھانے سے خوراک پائی۔ انہی کے لباس سے پوشاک پہنی۔ اُنہی سے تعلیم کا سرمایہ لیتا رہا۔ اسی واسطے اُنہی کی زبان سے بولنا سیکھا اُنہی کے قدموں پر چلنا سیکھا۔ اُنہی کے خیالات اس کے دل ودماغ میں سمائے حالت اس کی یہ رہی کہ علما تو درکنار ادنیٰ ادنیٰ آدمی اُردو میں لکھنا ہتک سمجھتے تھے جب ۱۲۳۵ھ میں اُس نے دفاتر سرکاری میں دخل پایا ساتھ ہی اخباروں پر قبضہ ہو گیا۔ تب لوگوں کی نظروں میں عزت وقار ہوا۔ رفتہ رفتہ کل ہندوستان پر قابض ہو گیا۔

غرضکہ اُردو زبان کے پاس جو کچھ اصل سرمایہ ہے وہ شعراے ہند کی کمائی ہے۔ جنہوں نے فارسی کی بدولت اپنی دُکان سجائی ہے۔ یہ مُفلس زبان علمی الفاظ میں تو اس لئے تہی دست رہی کہ یہ ملک کی علمی زبان نہ تھی۔ افسوس یہ ہے کہ عام مطالب کے ادا کرنے میں بھی مُفلس ہے۔ چنانچہ اگر تاریخ یا کسی قسم کی سرگذشت اس زبان میں لکھیں تو جو اصلی حالت یا اپنے دل کا ارمان ہے وہ نہیں نکل سکتا اسی واسطے اس کا اثر بھی جیسا چاہئے پڑھنے والے کے دل پر نہیں ہوتا۔ بات یہ ہے کہ اس کے سرزمین کی ہوا بگڑی ہوئی ہے۔ جو کچھ ہے وہ اتنا ہی ہے کہ فارسی کے پروں سے اُڑے لفاظی اور مبالغوں کے زور سے آسمان پر چڑھ گئے۔ وہاں سے جو گرے تو استعاروں میں غایب!! اس کی طبع آزمائی کا زور اب تک فقط چند مطالب میں محصور ہے۔ مضامین عاشقانہ گلگشت مستانہ نصیبوں کا رونا۔ اُمید موہوم پر خوش ہونا۔ اُمرا کی ثنا خوانی جس پر خفا ہوئی اس کی خاک اُڑائی البتہ ان رنگوں میں اُس نے لطافت اور نازک خیالی کو اس درجہ تک پہنچایا کہ حد سے گزار دیا اور اس قسم کے الفاظ و مطالب کا عمدہ ذخیرہ اس درجہ کا پاس ہے۔ فارسی میں صدہا نظم و نثر کی کتابیں ہیں جن کے خیالات باریکی اور تاریکی عبارت میں جگنو سے اُڑتے نظر آتے ہیں۔ لیکن کیا حاصل؟ اس انداز میں اصلی ماجرا ادا کرنا چاہو تو ممکن نہیں۔ ایسی ما کا دودھ پیکر اُردو نے پرورش پائی تو اس کا کیا حال ہوگا؟ اے اہل وطن! آج وہ دن ہے کہ علوم کے ایوان شاہانہ میں دربار لگا ہوا ہے۔ ہر ایک زبان اپنے اپنے ملک کی تحریر لیکر حاضر اور قدرت اور عظمت کے درجوں پر قایم ہے تمہیں کچھ معلوم ہوتا ہے

کہ تمہاری زبان کس درجے پر کھڑی ہے؟ صاف نظر آتا ہے کہ نہایت ادنیٰ درجے پر ہے۔ وہ آگے بڑھنا چاہتی ہے مگر کوئی بڑھانے والا نہیں۔ ہاں اسکا بڑھنا تمہارے ہاتھ میں ہے ۔

زبان انگریزی بھی مضامین عاشقانہ قصہ و افسانہ اور مضامین خیالی سے مالا مال ہے۔ مگر کچھ اور ڈھنگ سے! اُس کا اصل اصول یہ ہے کہ جو سرگذشت بیان کرے اس طرح ادا کرے کہ سامنے تصویر کھنچ جائے۔ اور نشتر اُس کا دل پر کھٹکے۔ اسی واسطے خیالی پھول پتے اتنے ہی لگاتے ہیں جتنے اصل ٹہنیوں پر سجتے ہوں۔ نہ کہ شاخ و شجر سب غائب ہو جائیں۔ فقط پتوں کا ڈھیر ہی ہوجائے بیشک فن انشا اور لطف زبان تفریح طبع کا سامان ہے لیکن جس طرح ہمارے متاخرین نے اسے ایک ہی مرض کی دوا سمجھ لیا ہے۔ انگریزی میں ایسا نہیں۔ اہل فرنگ نے جس طرح ہر امر کی بنیاد ایک منفعت پر رکھی ہے اسیطرح اس میں بھی موقع موقع سے مختلف منافع مدنظر رکھے ہیں۔ زبان انگریزی میں نظم کا طور تو کچھ اور ہی ہے مگر نثر میں بھی خیالی داستانیں یا اکثر مضامین خاص خاص مقاصد پر لکھے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اُن کے وسعت خیال اور پرواز فکر اور تازگئے مضامین اور طرز بیان کا انداز قابل دیکھنے کے ہے۔ میں نے انگریزی انشا پردازوں کے خیالات سے اکثر چراغ شوق روشن کیا ہے بڑی بڑی کتابیں اُن مطالب پر مشتمل ہیں جنہیں یہاں (ایسے) جواب مضمون کہتے ہیں۔ ان میں انواع و اقسام کی غرضیں ملحوظ ہیں مگر بہت سے مضامین ایسے ہیں کہ جن کی روشنی ابھی ہمارے دل و دماغ تک نہیں پہنچی۔ بعض مضامین

وہ ہیں جن میں انسان کے قوائے عقلی یا حواس یا اخلاق کو لیا ہے۔ اُنہیں انسان یا فرشتہ یا دیو یا پری تصور کیا ہے۔ اور اُن کے معاملات اور ترقی و تنزل کو سرگذشت کے طور پر بیان کیا ہے۔ ان میں شگفتگئ طبع کے علاوہ یہ غرض بھی ہے کہ پڑھنے والے کو کسی صفتِ پسندیدہ پر رغبت اور کسی خلقِ بد سے نفرت ہو۔ یا کسی حصولِ مطلب کے رستے ہیں جو نشیب و فراز آتے ہیں اُن سے واقف ہو۔ اگرچہ ان میں طرزِ بیان کا طور وہ نہیں جو ہم اُردو فارسی میں پڑھتے ہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی فصیح اُردو زبان پر قادر ہو تو اُنہیں پڑھے۔ اور اُن کے رنگ سے اپنے کلام کے چہرہ حال کو ایسے ایسے خط و خال سے آراستہ کرلے کہ خاص و عام کی نظروں میں کھُب جائے۔ البتہ ایسی قدرت حاصل ہونی مشکل ہے۔ اور مشکل تر یہ ہے کہ انگریزی میں یونان اور روما کے مضامین کے ساتھ وہاں کے مذہب اور رسوم قدیم کی باتیں اب تک انشا پردازی کا جزو ہیں۔ رومی و یونانی ستارہائے فلکی اور اکثر قوائے روحانی کو دیوتا مانتے تھے۔ چنانچہ انگریزی میں بڑے انشاء پرداز وہی کہلاتے ہیں جن کی چشمِ سخن ہر بات میں اُن کے قصوں پر اشارے کرتی جائے۔ مگر اُردو کے باغ نے فارسی اور عربی کے چشموں سے پانی پایا ہے۔ وہاں دیوی دیوتا کا گذر نہیں۔ یہ سخت دشواری ہے۔ کیونکہ اگر لکھنے بیٹھیں کچھ تعریف کریں تو ترجمہ نہ رہا۔ اور اصل کی رعایت کی تو کتاب معمائے دقیق ہو گئی۔ نہ کہ رفیقِ تفریح ؏

حق یہ ہے کہ مجھ ناقابل کو ایسے موقع پر قلم اُٹھانا اُن مضامین کو ذبح کرنا ہے لیکن اب وہ زمانہ بھی نہیں کہ ہم اپنے لڑکوں کو ایک کہانی "طوطے یا مینا

کی زبانی سُنائیں - ترقی کریں تو چار فقیر لنگوٹ باندھکر بیٹھ جائیں - یا پریاں اُڑائیں - دیو بنائیں اور ساری رات اُن کی باتوں میں گنوائیں - اب کچھ اور وقت ہے اسی واسطے ہمیں بھی کچھ اور کرنا چاہیے - علوم فنون کے علاوہ ایسی تصنیفیں بھی چاہئیں جو صاف شفاف تصویریں رسوم و اخلاق کی ہمارے بزم کلام میں سجائیں - ان میں جو ہمارے داغ دھبے ہیں - سب نظر آویں - اور آب تاثیر سے دھوے جائیں - تم دیکھتے ہو بیجان مورتوں میں جان پڑنے کی ساعت آگئی ہے - قریب ہے کہ شائستہ زبانوں کی طرح ہماری زبان بھی جان بخشی کی تصویر پیدا کرے - اس تقریر سے یہ غرض نہیں کہ زبان کے کپڑے اُتار کر ننگا منگا کردو - استعارہ اور تشبیہ کا نام نہ رہے - ہاں ایسے کپڑے پہناؤ کہ اصلی حسن کو روشن کردیں - نہ کہ اندھیر چھا جاے - کیونکہ اردو زبانوں میں کیا ہے ؟ جو ہماری زبان میں نہیں - ہاں طرز بیان کا ایک ڈھب ہے وہ تقریر میں آجانا چاہیے - فقط اتنی ہی کمی ہے ؂

اے جواہر زبان کے پرکھنے والو! میں زبان انگریزی میں بالکل بے زبان ہوں - اور اس ناکامی کا مجھے بھی افسوس ہے - اُردو کے میدان میں بھی سوار نہیں پیادہ ہوں - اس لیے یہاں بھی درماندہ ہوں - پھر بھی (بوالہوسی) بلہوسی دیکھو شہسواروں کے ساتھ دوڑنے کو آمادہ ہوں جتنا نالایق ہوں اُتنا ہی زیادہ شایق ہوں - دل سے لاچار ہوں کہ باوجود موانع مذکور کے جو لطف طبیعت کو بعض مضامین انگریزی سے حاصل ہوا نہ چاہا کہ اپنے پیارے اہل وطن کو اس میں شامل نہ کروں - جس قدر ہو سکے اور جس طرح ہو سکے ایک

پر تو وہ اُردو میں دکھانا چاہیئے۔ بالفرض مجھسے بیان کا حق نہ ادا ہوگا۔ ایک رستہ تو نکل آئیگا۔ زبان کے اہل ذوق بڑے بڑے صاحب قدرت ہیں اور ہوں گے کوئی نہ کوئی مقصود تک پہنچے گا ؛

یہ چند مضمون جو لکھے ہیں۔ نہیں لکھ سکتا کہ ترجمہ کئے ہیں ہاں جو کچھ کانوں نے سُنا اور فکر نا بچے زبان کے حوالہ کیا انھوں نے اسے لکھدیا اب حیران ہوں کہ نکتہ شناس اسے دیکھ کر کیا سمجھینگے ؟ اکثر نازک دماغ تو کہدیں گے کہ واہیات ہے۔ بہت کہینگے کوئی کہانی لکھی ہے مگر مزہ نہیں جو بڑے مُبصر ہیں وہ کہینگے کہ ہے مگر غور طلب ہے۔ بیشک یہ کہنا اُن کا اصلیت سے خالی نہیں کیونکہ خیالی تصویریں حکمت و اخلاق کی ہیں۔ فکر کے قلم نے خاکہ ڈالا ہے اور استعارہ و تشبیہ نے رنگ دیا ہے طبعیتیں رستے سے آشنا نہیں سبب یہ کہ ملک میں ابھی اس طرز کا رواج نہیں خیر آزاد نا اُمید نہ ہونا چاہیئے ؛

تمہاری سینہ فگاری کوئی تو دیکھیگا ۔ نہ دیکھے اب تو نہ دیکھے کبھی تو دیکھیگا

اُردو انگریزی انشا

اگر زبان کو فقط اظہار مطالب کا وسیلہ ہی کہیں تو گویا وہ ایک اوزار ہے کہ جو کام ایک گونگے بیچارے یا بچہ نادان کے اشارہ سے ہو جاتے ہیں وہی اس سے ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں اس کا مرتبہ ان لفظوں سے بہت بلند ہے۔ زبان حقیقت میں ایک معمار ہے کہ اگر چاہے تو باتوں میں ایک قلعہ فولادی تیار کردے جو کسی توپ خانے سے نہ ٹوٹ سکے اور چاہے

تو ایک بات میں اسے خاک میں ملادے جس میں ہاتھ ہلانے کی بھی ضرورت نہ پڑے۔ زبان ایک جادوگر ہے جو کہ طلسمات کے کارخانے الفاظ کے منتروں سے تیار کر دیتا ہے اور جو اپنے مقاصد چاہتا ہے اُن سے حاصل کر لیتا ہے۔ وہ ایک نادر مرصع کار ہے جسکی دستکاری کے نمونے کبھی شاہوں کے سروں کے تاج اور کبھی شہزادیوں کے نولکھے ہار ہوتے ہیں کبھی علوم و فنون کے خزانوں سے زر و جواہر اُس کی قوم کو مالامال کرتے ہیں وہ ایک چالاک عیّار ہے جو ہوا پر گرہ لگاتا ہے اور دلوں کے قفل کھولتا اور بند کرتا ہے یا مصور ہے کہ نظر کے میدانمیں مرقع کھینچتا ہے یا ہوا میں گلزار کھلاتا ہے اور اُسے پھول گُل طوطے و بلبل سے سجا کر تیار کر دیتا ہے۔ اس نادر دستکار کے پاس مانی و بہزاد کی طرح موقلم اور رنگوں کی پیالیاں دھری نظر نہیں آتی ہیں لیکن اس کے استعاروں اور تشبیہوں کے رنگ ایسے خوشنما ہیں کہ ایک بات میں مضمون کو شوخ کر کے لال بھبھوکا کر دیتا ہے پھر بے اس کے کہ بوند پانی اُس میں ڈالے ایک ہی بات میں اُسے ایسا کر دیتا ہے کہ کبھی نارنجی کبھی گلنار ہے کبھی آتشی کبھی ایسا بھینا بھینا گلابی رنگ دکھاتا ہے کہ دیکھکر جی خوش ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بوقلموں اور رنگا رنگ اور پھر سر تا پا عالم نیرنگ جس زبان میں ہم تم باتیں کرتے ہیں اس میں بڑے بڑے نازک قلم مصوّر گذر گئے ہیں جن کے مرقع آجتک آنکھوں اور کانوں کے رستہ سے ہمارے تمہارے دلوں کو تازہ کرتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ آجکل گویا اُن کے قلم گھس گئے ہیں اور پیالیاں رنگوں سے خالی ہو گئی ہیں جس سے تمہاری زبان کوئی نئی تصویر یا باریک کام کا مرقع تیار کرنے کے قابل نہیں رہی۔ اور تعلیم یافتہ تو ہیں اسے سُنکر

کہتے ہیں کہ یہ ناکامل زبان ہر قسم کے مطالب ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتی +
میرے دوستو! یہ قول انکا حقیقت میں بے جا نہیں ہے ہر ایک زبان
تعلیم یافتہ لوگوں میں جو عزت پاتی ہے تو دو سبب سے پاتی ہے۔ اول یہ کہ
اس کے الفاظ کے خزانے میں ہر قسم کے علمی مطالب ادا کرنے کے سامان موجود
ہوں۔ دوم اس کی انشا پردازی ہر رنگ اور ہر ڈھنگ میں مطالب کے
ادا کرنے کی قوت رکھتی ہو۔ ہماری زبان میں یہ دونو صفتیں ہیں۔ مگر ناتمام ہیں
اور اس کے سبب ظاہر ہیں ✤

علمی مطالب ادا کرنے کے سامانوں میں جو وہ مفلس ہے اس کا سبب یہ ہے
کہ تم جانتے ہو کل ڈیڑھ سو برس تخمیناً اس کی ولادت کو ہوئے۔ اس کا نام
اُردو خود کہتا ہے کہ میں علمی نہیں ہوں۔ بازار کی زبان ہوں۔ اُٹھنے بیٹھنے
لین دین کی باتوں کیواسطے کام میں آتی ہوں۔ سلاطین چغتائیہ کیوقت
تک اس میں تصنیف و تالیف کا رواج نہ تھا۔ مگر خدا کی قدرت دیکھو کہ ایک بچہ
شاہجہان کے گھر میں پیدا ہوا اور انگریزی اقبال کے ساتھ اُس کا ستارہ چمکے
جب صاحب لوگ یہاں آئے۔ تو اُنہوں نے ملکی زبان سمجھ کر اس کے سیکھنے
کا ارادہ کیا مگر سوائے چند دیوانوں کے اس میں نثر کی کتاب تک نہ تھی۔
ان کی فرمایش سے کئی کتابیں کہ فقط افسانے اور داستانیں تھیں تصنیف ہوئیں
اور انہیں کے ڈھب کے صرف و نحو بھی درست ہوئے۔ ۱۸۳۵ء سے دفتر جو
اُردو ہونے شروع ہوئے۔ ۱۸۳۶ء میں ایک اُردو اخبار جاری ہوا۔ ۱۸۴۲ء
میں دہلی کی سوسائیٹی میں علمی کتابیں اسی زبان میں ترجمہ ہونے لگیں۔ اور

اردو نے برائے نام زبان کا تمغہ اور سکہ پا پایا۔ اب خیال کرنا چاہیے کہ جس زبان کی تصنیف کی عمر کل ستر بہتر برس کی ہو اس کی بساط کیا؟ اور اس کے الفاظ کے ذخیرہ کی کائینات کیا؟ پس اسوقت ہمیں اسکی کمئے الفاظ سے دل شکستہ نہ ہونا چاہیئے۔

میرے دوستو! کسی زبان کو لفظوں کے اعتبار سے مفلس یا صاحب سرمایہ کہنا بیجا ہے۔ ہر زبان اہل زبان کے باعلم ہونے سے سرمایہ دار ہوتی ہے اور کسی علم والے کا یہ کہنا کہ علمی تصنیف یا بات چیت میں اپنے ہی ملک کے الفاظ بولیں بالکل بیجا ہے۔

عربی زبان بھی ایک علمی زبان تھی مگر دیکھ لو اس میں سارے لفظ تو عربی نہیں صدہا رومی صدہا یونانی صدہا فارسی کے لفظ ہیں وغیرہ وغیرہ اور زبان فارسی کا تو کچھ ذکر ہی نہیں۔ انگریزی زبان آج علوم کا سرچشمہ بنی بیٹھی ہے مگر اس میں بھی غیر زبان کے لفظوں کا طوفان آ رہا ہے زبان کا قاعدہ یہ ہے کہ پہلے اہل ملک میں علم آتا ہے پھر علمی اشیا کے لئے الفاظ یا تو اس علم کے ساتھ آتے ہیں۔ یا وہیں ایجاد ہو جاتے ہیں علمی الفاظ کا ذخیرہ خدا نے بنا کر نہیں بھیجا۔ نہ کوئی صاحب علم پہلے سے تیار کر کے رکھ گیا۔ جیسے جیسے کام اور چیزیں پیدا ہوتی گئیں ویسے ہی اُن کے الفاظ پیدا ہوئے اور ہوتے جاتے ہیں۔ اوّل خاص و عام میں علم پھیلتا ہے۔ ساتھ ہی اس کے الفاظ بھی عام ہوتے ہیں مثلاً ریل کا انجن اور اس کے کارخانے کے صدہا الفاظ ہیں۔ کہ پہلے یہاں کوئی نہیں جانتا تھا۔ جب وہ کارخانے ہوئے تو

ادنی ادنی ناخواندے سب جان گئے۔ اگر بے اس کے وہ الفاظ یہاں ڈھونڈھتے یا پہلے یاد کرواتے تو کسی کے سمجھ میں ہی نہ آتے اسی طرح مثلاً میجک لینٹرن اسوقت یہاں کوئی نہیں جانتا خواہ اُس کا یہی نام لیں خواہ فانوس جادو کہیں۔ خواہ اچنبھے کا تماشا کہیں ہرگز کوئی نہیں سمجھیگا لیکن اگر وہ مشاہدہ میں عام ہوجاوے اور گھر گھر میں جاری ہوجائے تو اُلٹے سے اُلٹے نام ہوں وہی بچہ بچہ کی زبان پر مشہور ہوجائیں گے اور وہی سب سمجھینگے۔ انگریزی میں جو علمی الفاظ ہیں مثلاً ٹیلیگراف الکٹرسٹی وغیرہ وغیرہ ان میں بھی بہت سے الفاظ ایسے ہیں کہ وہ اپنے اصلی معنے پر پوری دلالت نہیں کرتے۔ مگر چونکہ ملک میں علم عام ہے اور وہ چیزیں عام ہیں اس لئے الفاظ مذکورہ بھی ایسے عام ہیں کہ سب بے تکلف سمجھتے ہیں۔ پس لفظوں کی کوتاہی ہماری زبان میں اگر ہے تو اس سبب سے ہے کہ وہ بے علمی کے عہد میں پیدا ہوے اور اسی عہد میں پرورش پائی اب اس کی تدبیر ہوسکتی ہے۔ تو اہل ملک ہی سے ہوسکتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ خود علوم وفنون حاصل کرو اپنے ملک میں پھیلاؤ اور بھائی بندوں کو اُس سے آگاہ کرو۔ جب اس میں سب قسم کے کاروبار ہوں گے تو اُن کے الفاظ بھی ہونگے ملک کے افلاس کے ساتھ زبان سے بھی افلاس کا داغ مٹ جائیگا۔

تمہاری انشا پردازی پر جو نقص کا الزام ہے وہ بھی کچھ درست ہے اور کچھ قابل چشم پوشی ہے یہ تو ابھی بیان ہوا کہ زبان مذکور علمی زبان نہیں۔ سو برس ہوے کہ ہندوستان کے رنگین مزاجوں نے فقط اس حب الوطنی سے کہ ہماری زبان ہے اور زبانوں کی طرح نظم سے خالی نہ ہو۔ اس میں اپنی

مرصّع کاری اور نقش و نگاری و کہانی شروع کی۔ اور حق یہ ہے کہ ۱۲۱۵ھ تک جو کچھ زور اس نے پایا انہی کی بدولت پایا۔ انشا پردازی کا قاعدہ ہے کہ ابتدا میں جو مطالب کسی زبان میں ادا ہوتے ہیں تو ان میں سیدھی سادھی تشبیہیں اور اوزاور قریب قریب کے استعارے خرچ ہوتے ہیں۔ اسی واسطے جو مطالب اس میں ادا کئے جاتے ہیں وہ سنتے ہی سمجھ میں آجاتے ہیں۔ کیونکہ اُن کے پاس پاس کے استعارے اور اُن چیزوں کی تشبیہیں جو آنکھوں کے سامنے ہمارے آس پاس موجود ہیں وہ فقط مطالب مذکور کو سمجھاتے ہی نہیں بلکہ اپنی رنگینی اور لطافت سے اس کے لطف کو روشن کرکے دکھاتے ہیں اور چونکہ سادگی اور آسانی کے سبب سے اُنہیں سب سمجھتے ہیں اس لئے سب کے دل اس کی تاثیر سے اثر پذیر ہوتے ہیں چند روز کے بعد قریب قریب کی تشبیہیں اور استعارے تو خرچ ہو جاتی ہیں اور آس پاس کی تشبیہیں عام نام ہوکر تمام ہو جاتی ہیں۔ نئی نسلیں مستعمل تشبیہوں اور استعاروں کو برتنا چبائے ہوئے نوالے کو چبانا سمجھتے ہیں لیکن علم اور مشق جو مختلف رستوں سے آگاہ کرتے ہیں۔ اس لئے اُن کے فکر کبھی دائیں بائیں پھیلتے ہیں کبھی بلند ہونا شروع کرتے ہیں۔ اور دور دور ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ فارسی اور اردو زبان میں جو کیفیت اس کی گذری ہے۔ اس وقت میں اُسی کا اشارہ کرتا ہوں کہ شعرا نے مستعمل استعاروں سے بچنے کیلئے استعارہ اور استعارہ در استعارہ نکالا۔ اور اُسے ایک ایجاد دلپذیر تصور کرکے نازک خیالی نام رکھا۔ چونکہ دنیا میں ہر ایک نئی چیز بہت مزہ دیتی ہے۔ اس لئے اوروں نے بھی اُسے پسند کیا۔ اور علم کی مشکل پسندی نے اُسے زیادہ قوت دی۔ اور یہ معاملہ روز بروز زور پکڑتا گیا چنانچہ

ان بلند خیالوں سے دنیا کے کاروبار مثلاً خط وکتابت یا تاریخی مقاصد یا علمی مطالب کا ادا کرنا تو بہت دشوار تھا۔ مگر ایک فرقہ پیدا ہوا جنہوں نے خیال بند کا خطاب حاصل کیا۔ انہیں کی نثریں پنج رقعہ۔ مینا بازار۔ چار عنصر وغیرہ اور نظم میں جلال اسیر قاسم مشہدی۔ بیدل۔ ناصر علی۔ اور ان کے مقلدوں کے دیوان موجود ہیں چنانچہ دونوں کی امتیاز کے لئے دو شعر بھی اس مقام پر لکھتا ہوں۔ پہلے طریقہ میں ایک استاد کہتا ہے ؎

سحر خورشید لرزاں بر سر کوئے تو مے آید	دل آئینہ را نازم کہ بر روئے تو مے آید

دیکھو ناصر علی سرہندی نے اسی مضمون کو اپنے نازک خیال کے زور سے الگ کیا ہے ؎

نیارد چشم بیدل تاب حسن بیحجابش را	کہ باشد سافتے آئینہ شبنم آفتابش را

چونکہ اردو نے فارسی کا دودھ پیکر پرورش پائی تھی۔ اس لئے چند روز کے بعد یہی وقت اسے بھی پیش آئی۔ میر سوز میر تقی۔ سودا۔ جرات وغیرہ کے زمانے تھے ان میں اگرچہ مضامین شاعرانہ تھے مگر زبان میں ابتدا کی خوبی موجود تھی۔ بعد ان کے وہی استعاروں کی ایچ پیچ اور خیالوں کی معمولی ترقی شروع ہوئی البتہ خال خال آدمی ایسے رہے جو بزرگوں کی تقلید سے صفائی اور سادگی کی لکیر پر فقیر رہے مثلاً قدما میں خواجہ میر درد کہتے ہیں ؎

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو	دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

متاخرین میں غالب نازک خیال اس سے الگ ہو کر کہتے ہیں ؎

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک	میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

ہمیں ممنون ہونا چاہئے کہ جو کچھ لطافت یا زور ہماری زبان میں پیدا ہوا انہیں

شعرا کی برکت سے ہؤا۔ مگر وہ عاشقانہ مضامین کے ادا کرنے کے سامان اور تغزل کے خوشنما انداز اور اس کے الفاظ اور ترکیبوں کی دلاویز تراشیں تھیں بھلا خیالات فلسفہ کے سامان علوم کی اصطلاحیں مختلف مضامین تاریخی کے ادا کی طاقت۔ دلائل و براہین کے لڑانے کے زور۔ اسمیں کہاں سے آتے ہ؟ اگرچہ ابتدا میں جو کچھ تھا نہ یہ رنگ بہت خوشنما تھا مگر اب دیکھتا ہوں تو زمانہ کے انداز نے اسے بھی پھیکا کر دیا ہے۔ اور تمہاری انشا پردازی کا یہ حال ہو گیا ہے کہ غیر قومیں تو جو کچھ کہیں بجا ہے۔ میں خود دیکھتا ہوں اور شرماتا ہوں۔ کیونکہ مستعمل چیزوں میں شگفتگی اور تازگی دکھانی بہت مشکل ہے۔ پھر بھی خدا کا شکر کرنا چاہئے کہ ایک خزانہ معموری کا تمہارے ہاتھ آگیا ہے۔ مگر اتنا ہے کہ وہ انگریزی قفلوں میں بند ہے۔ جس کی کنجی انگریزی زبان ہے ؛

اس سے میرا یہ مطلب نہیں کہ جس طرح ہم فارسی عربی کے الفاظ اُردو میں بولتے ہیں اسی طرح انگریزی الفاظ بولنے لگیں۔ یا اُن کے محاوروں اور اصطلاحوں کے ترجمے اُردو میں استعمال کرنے لگیں لیکن تم خیال کرو کہ عبارت و الفاظ حقیقت میں انسان کے خیالات و مقاصد کے لباس ہیں۔ اور چونکہ طبعی خیال فرقہ ہائے انسان کے ہمیشہ قریب قریب ہوتے ہیں اس لئے وہ جس ملک میں چاہیں رنگ ظہور دکھائیں اصلیت میں کچھ نہ کچھ ملتے جلتے ہی ہونگے بلکہ ان میں بعض ڈھنگ ایسے ہوں گے کہ ذرا رنگ پلٹ کر چاہینگے تو دوسری طرف آجائیں گے۔ اور نئی بہار دکھائیں گے۔ چنانچہ جب بنظر غور دیکھینگے تو معلوم ہوگا کہ دو قوموں کی ارتباط سے ہمیشہ ایک زبان دوسری زبان سے

پر تو وہ لیتی رہی ہے۔ دیکھ لو!! بھاشا پر جب فارسی عربی آ کر گری تو اس پر کیا اثر ہوا؟ اور اب انگریزی کیا اندر ہی اندر کر رہی ہے فارسی اُردو میں تم نے وقت کے باب میں دیکھا ہوگا کہ زمانۂ زندگی کو عمر رواں یا آب گذران کہتے ہیں کہ زمانہ عمر کی کھیتی کو یا رسن عمر کو کاٹ رہا ہے۔ اور یہ بھی کہتے گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں اسی طرح غصہ کے باب میں دیکھا ہوگا کہ اسے آتش غضب کہہ کر آگ سے تعبیر کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ ”ہمچو مار سیاہ بر خود پیچید“ اور کبھی جوش غضب کے لئے کہتے ہیں کہ ”آتش از چشمش پرید و دود از نہادش بر آمد اور ہمچو سپند از جا برجست“ پس انگریزی میں سمجھ لیجئے ایک خاص علم ہے کہ اس میں ان سب قوتوں یا جذبوں کو ایک ایک مجسم دیوی یا دیوتا مقرر کیا ہے اور انہیں سامانوں سے سجایا ہے جو ان کیلئے لازم اور شایاں ہیں۔ چنانچہ (وقت) ایک پیر کہن سال کی تصویر ہے اس کے بازوؤں میں پریوں کی طرح پر پرواز لگے ہیں کہ گویا ہوا میں اُڑتا چلا جاتا ہے ایک ہاتھ میں شیشہ ساعت ہے جس سے اہل عالم کو اپنے گذرنے کا اندازہ دکھاتا جاتا ہے۔ اور ایک میں درانتی ہے کہ لوگوں کی کشت امید یا رشتہ عمر کو کاٹتا جاتا ہے۔ یا ظالم خونریز ہے کہ اپنے گذرنے میں ذرا رحم نہیں کرتا۔ اس کے سر پر ایک چوٹی بھی رکھی ہے جو دانا ہیں اُسے پکڑ کر قابو میں کر لیتے ہیں لیکن اوروں کی چوٹیاں پیچھے ہوتی ہیں اس کی چوٹی آگے رکھی ہے اس میں نکتہ یہ ہے کہ جو وقت گذر گیا وہ قابو میں نہیں آ سکتا۔ ہاں جو پیش بین ہو وہ پہلے ہی سے روک لے سو روک لے ۔

لکچر

سب جانتے ہیں کہ خود برج بھاشا اپنے عہد میں عام زبان تھی مگر درباروں اور علموں پر ان کا قبضہ تھا یعنے سنسکرت کہ جس کی گود میں فصاحت اور بلاغت کے دریا لوٹتے تھے۔ اور برج بھاشا وہ زبان تھی جو گھروں میں کام کاج کی باتوں اور بازاروں میں سودے سُلف کے لین دین سے خاص و عام کی ضرورتیں پوری کرتے تھے۔ چونکہ بھاشا علمی اور تصنیفی زبان نہ تھی اس واسطے اس میں استعارے اور تشبیہ سے انشا پردازی کی باریکیاں اس اعلےٰ درجہ پر نہ پہنچیں جو سنسکرت میں ہیں۔ پھر بھی وہ ہر ایک موقع پر اس خوبی و خوش اسلوبی سے اپنا مطلب پورا پورا ادا کرتی تھی جس کی کیفیت جاننے والے ہی جانتے ہیں جب بھاشا سے اُردو پیدا ہوئی تو اُس کے مالک اُن لوگوں کی اولاد تھی جو اصل میں فارسی زبان رکھتے تھے۔ اسی واسطے انھوں نے تمام فارسی بحروں اور فارسی کے دل چسپ اور رنگین خیالات اور اقسام انشا پردازی کا فوٹوگراف فارسی سے اُردو میں اُتار لیا۔ تعجب یہ ہے کہ اس نے اسقدر خوش ادائی اور خوشنمائی پیدا کی کہ ہندی بھاشا کے خیالات جو خاص اس ملک کے حالات کے بموجب تھے اُنہیں بھی ہٹا دیا چنانچہ خاص و عام پپیہے اور کوئل کی آواز اور چنپا چنبیلی کی خوشبو کو بھول گئے۔ ہزار و بلبل اور نسرین و سنبل جو کبھی دیکھی بھی نہ تھیں اُن کی تعریفیں کرنے لگے۔ رستم و اسفندیار کی بہادری کوہ الوند اور بے ستون کی بلندی جیجون سیحون کی روانی نے یہ طوفان اُٹھایا کہ ارجن کی بہادری ہمالیہ کی ہری ہری پہاڑیاں برف سے بھری چوٹیاں اور گنگا جمنا کی روانی کو بالکل روک دیا۔

ہمیں شک نہیں کہ ایک اعتبار سے ہمیں فارسی زبان کا ممنون احسان ہونا چاہیے
کہ اس کی بدولت ہمارے کلام میں بلند پروازی اور جوش و خروش کا زور پیدا ہوگیا
اس کی استعارہ اور تشبیہوں سے بہت سے نازک اور لطیف خیالات کے ظاہر کرنیکی
قوت ہوگئی لیکن یہ خیالات فارسی کی نظم و نثر سے آتے ہیں جہاں کے چمن میں باریک
باریک استعاروں کی نسیم خوشبو پھیلاتی ہے۔ اور لطیف لطیف تشبیہوں کی شبنم
شاداب کرتی ہے اس لیئے اُنہیں پھولوں کا عطر اس زبان میں آیا۔ بیشک اُنکی
بلند پروازی اور نازک خیالی جس درجہ پر ہے اُس کی حد نہیں۔ لیکن اصل مطلب کو
ڈھونڈو تو باریکی اور تاریکیٔ الفاظ اور استعاروں کے اندھیرے میں ایک جگنو ہے
کہ کبھی چمکا اور کبھی غایب ہوا۔ اے گلشن فصاحت کے باغبانو! فصاحت اسے نہیں
کہتے کہ مبالغے اور بلند پروازیوں کے بازؤوں سے اُڑے اور قافیہ کے پروں سے
فرفر کرتے گئے لفاظی اور شوکت الفاظ کے زور سے آسمان پر چڑھتے گئے اور استعاروں کی
تہ میں ڈوب کر غایب ہوگئے۔ فصاحت کے معنے یہ ہیں کہ خوشی یا غم کسی کی رغبت
یا نفرت کسی سے خوف یا خطر یا کسی پر قہر یا غضب غرض جو خیال ہمارے دل میں ہو
اُس کے بیان سے وہی اثر وہی جذبہ وہی جوش سننے والوں کے دلوں پر چھا جائے
جو اصل کے مشاہدہ سے ہوتا۔ بیشک مبالغہ کا زور تشبیہ و استعارہ کا نمک۔ زبان
میں لطف اور ایک طرح کی تاثیر زیادہ کرتا ہے لیکن نمک اتنا ہی چاہیے جتنا نمک
نہ کہ تمام کھانا نمک۔ تشبیہ و استعارہ ہمارے مطلب میں ایسے ہونے چاہئیں جیسے
کسی معرکہ یا دربار یا باغ کی تصویر پر آئینہ کہ اس کی کیفیت کو زیادہ روشن کرے نہ اتنے
آئینے کہ تصویر کا اصلی حال ہی نہ دکھائی دے۔ تب اس موقع پر ہمیں کیا کرنا چاہیے

ہمیں چاہیے کہ اپنی ضرورت کے بموجب استعارے اور تشبیہ اور اضافتوں کے اختصار
فارسی سے لیں اور سادگی اور اظہار اصلیت بھاشا سے سیکھیں۔ لیکن پھر بھی قناعت
جائز نہیں کیونکہ اب رنگ زمانہ کا کچھ اور ہے ذرا آنکھیں کھولینگے تو دیکھینگے کہ فصاحت
و بلاغت یا عجائب خانہ کھُلا ہے جسمیں یورپ کی زبانیں اپنی اپنی تصانیف کے
گلدستے۔ ہار۔ طرّہ۔ ہاتھوں میں لئے حاضر ہیں۔ اور ہماری نظم خالی ہاتھ کھڑی
الگ منہ دیکھ رہی ہے لیکن اب وہ بھی منتظر ہے کہ کوئی صاحب ہمت ہو جو میرا
ہاتھ پکڑ کے آگے بڑھائے۔ اے میرے اہل وطن! اس سے یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہاری
نظم کو سامان آرائش سے مفلس کہتا ہوں۔ نہیں اُس نے اپنے بزرگوں سے لمبے لمبے
خلعت اور بھاری بھاری زیور میراث پائے۔ مگر کیا کرے خلعت پُرانے ہو گئے اور
زیوروں کو وقت نے بے رواج کر دیا۔ تمہارے بزرگ اور تم ہمیشہ سے نئے مضامین
اور نئے انداز کے موجد رہے مگر نئے انداز کے خلعت اور زیور جو آج کے مناسب
حال ہیں وہ انگریزی صندوقوں میں بند ہیں۔ کہ ہمارے پہلو میں دھرے ہیں اور
ہمیں خبر نہیں۔ ہاں صندوقوں کی کُنجی ہمارے ہموطن انگریزی والوں کے پاس ہے۔
اب مجھے دوسری طرف متوجہ ہونا واجب ہے یعنی اے انگریزی کے سرمایہ دارو!
تم اپنے ملک کی نظم کو ایسی حالت میں دیکھتے ہو اور تمہیں افسوس نہیں آتا۔ تمہارے
بزرگوں کی یادگار عنقریب مٹا چاہتی ہے۔ اور تمہیں اس کا درد نہیں آتا۔ اپنے
خزانوں اور نئے توشہ خانوں سے ایسا بندوبست نہیں کرتے جس سے وہ اپنی
حیثیت درست کر کے کسی دربار میں جانے کے قابل ہو یہ وطن کا فرض ہے کہ قرض
سے زیادہ اس کا ادا کرنا واجب ہے ۔

بھاشا پر جو فارسی نے اثر کیا اور اُس سے نظم اور انشائے اردو نے خاص لطافت
حاصل کی۔ وہ اُن لوگوں کی بدولت حاصل ہوئی کہ بھاشا اور فارسی دونوں سے
واقف تھے۔ تم خیال کرو کہ جو اسوقت بھاشا اور فارسی کا حال تھا۔ آج بعینہ اُردو
اور انگریزی کا حال ہے۔ پس اس کی نظم میں اگر انگریزی کے خیالات کا پرتوہ
حاصل ہوگا تو اُنہیں لوگوں کی بدولت ہوگا جو دونوں زبانوں سے واقف ہونگے
اور سمجھینگے کہ انگریزی کے کون سے لطائف اور خیالات ایسے ہیں جو اُردو کیواسطے
زیور زیبائش ہوسکتے ہیں۔ اے میرے اہل وطن! مجھے بڑا افسوس اس بات کا
ہے کہ عبارت کا زور مضمون کا جوش وخروش۔ لطائف وصنائع کے سامان۔ تمھارے
بزرگ اس قدر دے گئے ہیں کہ تمھاری زبان کسی سے کم نہیں۔ کمی فقط اتنی ہے
کہ وہ چند بے موقع احاطوں میں گھر کر محصور ہوگئے ہیں وہ کیا؟ مضامین عاشقانہ
ہیں جنمیں کچھ وصال کا لطف۔ بہت سے حسرت وارمان۔ اس سے زیادہ ہجر
کا رونا۔ شراب ساقی۔ بہار خزاں۔ فلک کی شکایت اور اقبال مندوں کی خوشامد
ہے۔ یہ مطالب بھی بالکل خیالی ہوتے ہیں۔ اور بعض دفعہ ایسے پیچیدہ اور دور دور
کے استعاروں میں ہوتے ہیں کہ عقل کام نہیں کرتی۔ وہ اسی خیال بندی اور
نازک خیالی کہتے ہیں۔ اور فخر کی موچھوں پر تاؤ دیتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ ان
محدود دائروں سے ذرا بھی نکلنا چاہیں۔ تو قدم نہیں اُٹھا سکتے یعنی اگر کوئی
واقعی سرگذشت یا علمی مطلب یا اخلاقی مضمون نظم کرنا چاہیں۔ تو اس کے بیان
میں بدمزہ ہوجاتے ہیں۔ لیکن ہمیں اس سے زیادہ کیا افسوس ہوگا کہ ہم اپنے
زوروں کو بے اصل اور معدوم باتوں میں ضائع کرتے ہیں۔ اور جواہر کے خزانے

کام کی جگہ نہیں لگا سکتے۔ بے جگہ لٹاتے ہیں کیسی حیرت آتی ہے جب میں زبان انگریزی میں دیکھتا ہوں کہ ہر قسم کے مطالب و مضامین کو نثر سے زیادہ خوبصورتی کے ساتھ نظم کرتے ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ کلام میں جان ڈالتے ہیں اور مضمون کی جان پر احسان کرتے ہیں لیکن ہمیں کیا؟ سن کر ترسیں۔ اپنے تئیں دیکھ کر شرمائیں۔ کاش ہم جو ٹوٹی پھوٹی نثر لکھتے ہیں اتنی ہی قدرت نظم پر بھی ہو جاوے۔ جس کے اعلےٰ درجہ کے نمونے انگریزی میں موجود ہیں۔ پھر بھی ہم دیکھتے ہیں۔ ہمارے بزرگ ردیف و قافیہ کے ساتھ ایسی دل پسند بحریں اور نازک خیالیوں کے سامان ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں کہ اگر ہمت کریں تو کسی سے پیچھے نہ رہیں۔ اے میرے اہل وطن! ہمدردی کی آنکھیں آنسو بہاتی ہیں جب مجھے نظر آتا ہے کہ چند روز میں اس رائج الوقت نظم کا کہنے والا بھی کوئی نہ رہیگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بہ سبب بے قدری کے اور کہنے والے پیدا نہ ہونگے کیئی پرانی مورتیں باقی ہیں وہ چراغ سحری ہیں۔ انجام یہ کہ زبان ہماری ایک دن نظم سے بالکل محروم ہوگی۔ اور اردو میں نظم کا چراغ گل ہوگا۔ میرے اہل وطن! آؤ! آؤ! برائے خدا اپنے ملک کی زبان پر رحم کرو۔ اٹھو! اٹھو وطن اور اہل وطن کی قدیمی ناموری کو بربادی سے بچاؤ۔ تمہاری شاعری جو چند محدود احاطوں میں بلکہ چند زنجیروں میں مقید ہو رہی ہے۔ اس کے آزاد کرنے میں کوشش کرو۔ نہیں تو ایک زمانہ تمہاری اولاد ایسا پائیگی۔ کہ اُن کی زبان شاعری کے نام سے بے نشان ہوگی۔ اور اس فخر آبائی اور بزرگوں کی کمائی سے محروم ہونا بڑے افسوس کا مقام ہے۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ سردست یہ کام کچھ مشکل ہے کیونکہ

ان محدود احاطوں میں جو کچھ موجود ہے وہ ڈیڑھ سو برس سے آجتک بڑے بڑے سحرالبیان
فصیحوں نے شام کو صبح اور صبح کو شام کرکے پیدا کیا ہے - دلوں کے خون اور دماغوں
کے روغن پسینہ کرکے بہائے ہیں - جب یہ دل پسند خیالات شستہ الفاظ پاکیزہ
ترکیبیں - خوشنما تراشیں - مضمون کی گرمیاں - انداز کی شوخیاں پیدا ہوئی ہیں کہ
سننے والوں کے کانوں میں رس ڈالتے ہیں - اگر کوئی موزوں طبع چاہے کہ عام چیزیں
جو آنکھوں کے سامنے ہیں - ان میں سے جسکو چاہے لے لے - اور اُن پر شاعری
خرچ کرکے وہی لطف کلام میں پیدا کرلے تو آج نہایت مشکل بات ہے - تمام عالم کی
تعریفیں اور ہمارے شکریئے ان مزاروں پر پھول برساتے ہیں - جن کے سونے والوں
نے انہیں چھوٹے چھوٹے احاطوں میں وہ کچھ کیا کہ سالہا سال چاہئے جو ویسی لوگ پیدا
ہوں - ویسی کوشش کریں اور ویسی ہی لطیف اور خوش آیندہ انداز اُن میں پیدا ہوں
تو بھی ہمیں مایوس ہونا نہ چاہئے - اگر کوشش کرینگے تو ہم بھی کچھ نہ کچھ کر رکھینگے کیونکہ
دلی دن بھر میں گلزار نہیں ہوگئی تھی - اس سے بڑھکر یہ ہے کہ وہ مضامین جو اب تک
اُن احاطوں کو آباد کر رہے ہیں وہ خود اس قیامت کے مضمون ہیں جنہیں شیطان ملعون
نے اپنے سارے مزے کوٹ کوٹ کر بھر دیئے ہیں - اگر کسی شاعر کی زبان میں قدرتی لذت
کم ہو - تو بھی مضامین مذکورہ اپنی گرمی سے رنجک کی طرح شعر کو لے اُڑتے ہیں البتہ عام
مضامین میں ایسی چمک دمک پیدا کرنے کیلئے ایک قدرتی قوت زبان و بیان
کی اور اصلی فصاحت اعلی درجہ کی چاہئے - تب ہر ایک مضمون کو ویسا ہی گرما لے
جس سے سننے والے کا دل پھڑک کر لوٹ جائے - اگرچہ مدت سے مجھے اور اکثر اہل
وطن کو اس کا خیال ہے مگر اب تقریر میں آنے کا باعث یہ ہے - کہ دیکھتا ہوں آجکل

ہماری گورنمنٹ اور اُن اراکین کو اس طرف توجہ ہوئی ہے۔ جن کے دل ہماری تعلیم کا ذمہ اٹھائے ہوئے ہیں۔ حق پوچھو تو ہمارے انشا کے ستارہ اقبال کی مبارک ساعت ہے۔ اس موقع پر ہماری تھوڑی کوشش بھی بہت سا اثر کریگی ۔

میرے اہل وطن! تمہاری جماعت دو فرقوں سے مرکب ہے۔ ایک ہندو ایک مسلمان تم جانتے ہو کہ ہندو کون ہیں؟ ہندو وہ ہیں کہ آج ہم جس بات کی آرزو کرتے ہیں وہ اُن کی زبان کا اصلی جوہر ہے اگر بھاشا ہے تو وہ اصلی حالتوں کے ادا کرنے میں سب پر فایق ہے۔ سنسکرت کی قوت نظم خود حد بیان سے باہر ہے۔ کیونکہ مضامین شاعرانہ در کنار اس نے تاریخ سے لیکر جغرافیہ طب منطق۔ فقہ تک جس علم کو لیا نظم کی جنتری میں کھینچ لیا۔ دوسرا جزو مسلمان ہیں۔ جن کی اصل عرب عربی وہ زبان ہے جس میں مرد تو بالائے طاق گھروں کی عورتیں بلکہ لونڈیاں جب اپنی جوش تقریر پر آتی تھیں تو ان کا کلام ایک پرزور نظم ہو جاتا تھا۔ کیا یہ افسوس کی بات نہیں کہ ایسے بزرگوں کی اولاد اپنے بزرگوں کی میراثوں سے محروم ہو کیا یہ حیف کی جگہ نہیں کہ آج ہماری زبان حرف تاثیر سے خالی ہو؟ کیا یہ رنج کی جگہ نہیں کہ اوروں کے سامنے ہماری زبان ضعیف بیانی کے ساتھ ہزار نقصوں سے مطعون ہو؟ اے خاک ہندوستان! اگر تجھ میں امرالقیس اور لبید نہیں تو کوئی کالیداس ہی نکال۔ اے ہندوستان کے صحرا دشت فردوسی و سعدی نہیں تو کوئی والمیک ہی پیدا کردو ۔

قصص ہند حصّہ دوم

قلعہ دہلی - جب جاہ و حشم کے ہجوم کے لئے آگرہ اور دہلی کے قلعوں میں
گنجایش نہ رہی - تو دہلی میں ایک نیا قلعہ بنوانا شروع کیا کہ قلعہ آگرہ سے دوچند
اور لاہور سے چند در چند زیادہ ہو چنانچہ کروڑ روپیہ کی لاگت سے دس برس میں
بنکر تیار ہوا - میر عمارت نے عرضی لکھی خود بدولت ہوا دار آبی پر سوار ہوکر لب دریا
کے دروازے سے قلعہ میں داخل ہوئے - قلعہ کو ملاحظہ کیا - سر سے پاؤں تک سنگ
سرخ سے گلرنگ اسپر سنگ مرمر کے حاشیہ کا نرالا ڈھنگ برجیاں فصیلیں غرفلیں
خوشنما - عمارتیں اور باغوں کی نہریں ایسی دلکشا کہ اگر بے مبالغہ بھی ایک ایک
کی نقل لکھی جائے تو ایک دفتر آراستہ ہو جائے - کل قلعہ کا نقشہ دیکھو تو کاغذ پر
ایک ہشت پہلو پھول نظر آتا ہے غرضکہ جشن کا سامان شروع ہوا - دیوان عام کے
سامنے وہ شامیانہ کہ جس کا نام دل بادل تھا اور دیوان خاص کے میدان میں
سہامنڈل خیمہ استادہ ہوا جس کا کلس خیمہ فلک کے پار نکلا جاتا تھا - یہ بھی سات
برس کے عرصہ میں تیار ہوئے تھے - اور ہزاروں گز پشمینے کشمیر کے اور مخمل زربافت
گجرات کے ان پر خرچ ہوئے تھے دو نو سونیکے ستونوں اور چاندی کے استادوں
پر کھڑے تھے - ان کے آگے خوشنما شامیانے اطلسی اور زربافی سنہری روپہری
چوبوں پر تانے گئے - ایوان عالی جس طرح طلائی چھت کی مینا کاری سے گوناگون
تھا ویسے ہی ایرانی قالین اور بنارسی کمخوابوں سے بوقلموں تھا - صدر سے

لیکر پاانداز کے ایک ایک مکان تک درودیوار کو مخمل زربافت بادلہ کمخواب پردہائے فرنگی و دیبائے رومی اطلس چینی سے نگارخانہ چین کردیا۔ صدر میں تخت طاؤس بچھایا گیا تخت طاؤس۔ نمونہ عجائبات دنیا کا تھا۔ کروڑ روپیہ کہنے کو تو دو لفظ اور ایک بات ہے۔ مگر خیال کرنا چاہئے کہ آج اسقدر سونے اور جواہرات کے لئے کس قدر دریا اور پہاڑ الٹنے پڑتے ہیں۔ پشت کا تختہ جسپر بادشاہ تکیہ لگا کر بیٹھتا تھا دس لاکھ روپیہ کا تھا۔ بارہ مرصع ستونوں پر مُغرق ٹھراہیں۔ اور جڑاؤ مینا کاری کی چھت دھری تھی۔ چھت سے پائے تک خالص کُندن اور آبدار جوہر سے جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ اور تین سیڑھی بلند چبوترے پر یہ عالم تھا گویا ایک ستارہ کا نگینہ ہے کہ انگوٹھی پر دھرا ہے۔ اسکے روکار کے محراب پر ایک تخت طلائی بھاری دھرا تھا جسے سبزہ و الماس سے سرسبز اور لال و یاقوت سے گلرنگ کیا تھا۔ اِدھر اُدھر اسکے رنگارنگ کے جواہرات سے مرصع دو مور چونچ میں موتیوں کی تسبیحیں لئے اس طرح کھڑے تھے۔ گویا اب ناچنے لگتے ہیں۔ چاروں طرف چاروں چتر زرنگار جنمیں موتیوں کی جھالر جھلملاتی تھی۔ آگے ایک شامیانہ کہ جواہرات اور موتیوں کی بلاری سے دریائے نور کی طرح لہراتا تھا اور ایک لاکھ روپیہ کی لاگت میں تیار ہوا تھا۔ سونے رُوپے کی چوبوں پر استادہ تھا گرد اس کے کرسیاں اور چوکیاں اپنے اپنے مرتبہ سے سجی ہوئی تھیں تخت کے گرد پاس ادب کے لئے کئی کئی گز تک حاشیہ چھوڑ کر چاندی کا کٹہرا ایسا خوشنما لگا تھا کہ جس کی مینا کار جالیاں مرغ نظر کو شکار کرتی تھیں۔ غرض دربار آراستہ ہوا۔ مگر اقبال کا رعب داب دیکھ کر قدرت خدا یاد آتی تھی چنانچہ کٹہرے کے باہر اول یمین و یسار شاہزادے والا تبار بعد اُنکے راجہ مہاراجہ

ملک ملک کے حاکم امیر و وزیر اپنے اپنے عہدہ لئے کھڑے مگر تمام فرمانبرداران کی
آنکھیں زمین پر اور گوش دل اپنے فرماں روا کے حکم پر لگے تھے۔ ہر ایک در میں
دو دو خاص بردار مخمل کی غلافت وار بندوقیں کندھوں پر۔ بادلے کی جھنڈیاں
ہاتھوں میں لئے۔ بت بنے ہوئے قائم تھے۔ باہر کے دالان میں اور عہدہ دار منصب داران
حکم کے منتظر حاضر تھے۔ اس سے آگے کے دروں میں تین تین حبشی جیسے کالا پہاڑ
آنکھیں لال لال۔ زربفت کی وردیاں پہنے۔ ہتھیاروں میں اُونچے بنے۔ گرز ناگے
فولادی کندھوں پر۔ بادلے کی بیرقیں ہاتھوں میں۔ تیسرے در میں اہلکار
اور ہر کارخانہ کے کاروار منشی متصدی۔ قلمدان کمر میں۔ بستے آگے رکھے موجود
تھے۔ اور دروں میں سپاہی ننگی تلواریں علم کئے۔ قد آدم چاندی کے کٹہرے سے
لگے۔ خاموش کھڑے تھے۔ باہر تیس تیس گز کا فاصلہ دیکر پھر چاندی کا کٹہرا کھڑا
تھا۔ اور اس کے برابر بہادر سپاہی خاص بادشاہی۔ جن میں دائیں ترک۔ بائیں
پر افغان۔ سامنے راجپوت۔ اپنی اپنی وردیاں پہنے۔ سُنہری رُپہلی برقیں ہاتھوں
میں لئے جمے تھے۔ یہاں سے دروازہ تک سواروں کے پرے دو رستہ پابستہ
آراستہ تھے۔ جو درباری لوگ آتے۔ پہرے پہرے پر اپنے اپنے نام و نشان
بتاتے اور آگے چلے جاتے۔ مگر دبدبہ و دہشت کا یہ عالم تھا کہ ہوش و حواس
کے قدم تھرتھراتے تھے۔ دربار میں پہنچکر تین سلام گاہوں پر تسلیم بجا لاتے تھے
جب نقیب آواز دیتا تھا کہ آداب بجالاؤ۔ جہاں پناہ بادشاہ سلامت !
عالم پناہ بادشاہ سلامت! تو دل سینوں میں دہل جاتے تھے۔ کٹہرے کے پاس
کورنش کا آداب ادا کرتے تھے۔ غرض اول شاہزادوں کی نذریں گذرنی

شروع ہوئیں۔ ہر ایک کو خلعت اور ترقئے منصب کے احکام سنائے گئے۔ سعد اللہ خان وزیر اعظم کو ہفت ہزار سے ہفت ہزار سوار کا منصب عطا ہوا۔

عبرت۔ دربار میں یہ شان پروردگار آشکارا تھی کہ دفعتاً بادشاہ آبدیدہ ہوئے اور دونو ہاتھ فاتحہ کو اُٹھائے۔ ساتھ ہی سب اہل دربار نے ہاتھ اُٹھائے۔ مگر پاس آداب کوئی شخص جرأت سوال کی نہ کرسکا۔ بعد فاتحہ کے خود بادشاہ نے کہا کہ اے بندگان باخلاص! جو خیال اس وقت میرے دل میں گذرا۔ اس کا اظہار تم پر بھی واجب سمجھتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ فرعون نے ایک آبنوس اور ہاتھی دانت کے تخت پر بیٹھکر دعویٰ خدائی کا کیا۔ میں اس سے لاکھ مرتبہ عجز و نیاز کے ساتھ عبودیت الٰہی کا اقرار کرتا ہوں۔ یہ کہکر اُٹھا اور دوگانہ شکرانہ کا بجالا کر دیر تک پیشانی کو زمین نیاز پر ملتا رہا وقت کی تاثیر سے دربار میں سناٹے کا عالم ہوگیا۔ سب کے دل آب ہوگئے۔ اور سینوں کے ولولوں نے دم گرم سے اس ایوان میں ایک گونج پیدا کی۔ بادشاہ سجدہ سے اُٹھکر دوبارہ مسند پر بیٹھا ملک الشعرا نے قصیدہ مبارکباد پڑھا کسی باکمال نے کبت سُنائے۔ کوئی اشرفیوں میں تلا۔ کسی کا مُنہ موتیوں سے بھر اگیا۔ اتنے میں غلامان خاص جواہر کا خوان ہاتھوں میں لئے آئے۔ جن کے جواہر نگار حوالوں میں موتیوں کی جھالر لٹکتے تھے۔ میر دربار نے اشارہ کیا۔ اشارہ کے ساتھ ہی سونے روپے کے پھول اور جواہرات کا مینہ چھم چھم برسنے لگا۔ **جشن ماہتابی**۔ رات کو جشن ماہتابی ہوا کہ تمام دیوان عام ایک بقعہ نور نظر آنے لگا۔ فرش میں سفید مخملیں سفید ہی قالین دیواروں پر براق اطلس زربفت و کمخواب کے پردے مگر وہ بھی رو پہلے۔ آرائش کے

ساماں روشنی کے سب لوازمات موجود- مگر تمام بلور اور شیشے سفید- سامنے
چمن میں درختوں کے پھول پتے تمام سفید- روشوں پر گھاس سفید دربار کا
لباس سفید- یہاں تک کہ انگوٹھی بھی چاندی کی اسپر بھی الماس سفید-
غرضکہ زمین سے آسمان تک نور کا عالم تھا- اور دریائے مہتاب لہراتا نظر آتا تھا
چندرماں کے تُلا کے جشن میں نو دن باقی تھے- اس لئے نو دن تک برابر جشن کے
انعام واکرام جاری ہے*

بہارِ بےخزاں

آج قلم کا دماغ پھولوں کی خوشبو سے معطر ہے۔ کاغذ کا صفحہ آنکھ کی سپیدی کی طرح منور ہے۔ نظر کا تار نگاہ کا رشتہ گلدستہ کی مانند بہارین ہے۔ کیونکہ مجھے ایک باغ اور مکان کی صفت لکھنی منظور ہے جس کے سیر سے چشم مردم میں نور ہے اس کے صحن و دالان میں قدرت خدا کا گل کھلا ہوا ہے چمن و میدان میں صنعت صانع کا تماشا ہے۔ وہ کون مکان؟ اور کیسا گلستان؟ جو شاہ جہان سے بادشاہ عالیجاہ کا قیام گاہ ہے۔ کون قصر اور کیسا ایوان جو جناب عالیہ بادشاہ بیگم کا آرامگاہ ہے۔ جہاں یہ ماہتاب و آفتاب سوتی ہیں۔ چاند و سورج دو نور ات دن اُس زمین کے نثار ہوتے ہیں۔ تاج بی بی کا روضہ دنیا میں مشہور ہے اور ہر چمن اُس کا شمیم محبت سے معمور ہے۔ اکبر آباد کیا سارے ہندوستان کو اس مکان سے عزت ہے۔ ہندوستان کیا تمام روئے زمین کو اس سے زینت ہے۔ اس چمن کی ہوا نے جو کلیوں کی بو باس سے خیال کے دماغ کو معطر کر دیا تو باغ کی فضا نے دامن نگاہ کو دامن گلچین کی طرح پھولوں سے بھر دیا۔ سبحان اللہ کیا روضہ ہے جس کے لطف و لطافت سے رضوان راضی و خوشنود ہے۔ بارک اللہ کیا باغ ہے جس میں بہشت کی ہر نعمت موجود ہے سورج اُس باغ کا ایک زرد آلو ہے۔ چاند اُس چمن کا ایک گل شبو ہے۔ دروازہ کی بلندی دیکھنے کو اگر آسمان سر اُٹھائے تو اس کو آفتاب کی پگڑی سنبھالنی دشوار ہو جائے۔ بازوؤں سے

محراب کی چوٹی تک سورہ چوب قلم سے لکھا ہے عقل اس طلسمات سے
حیران ہے۔ کہ ہر حرف جیسا نزدیک سے نظر آتا ہے ویسا ہی دور سے۔ اس
فن کے مبصر نظر انصاف سے دیکھیں یہ بات کیسی مشکل اور کس طرح کی تقسیم کامل
ہے اسنگ مرمر سنگ موسیٰ کی بیچے کاری کیئے یا آنکھ کی سفیدی پر پتلیوں کی سیاہی
حرف ہیں یا قرص کافور پر مشک کے دانے لفظ ہیں یا لوح الماس پر نیلم کے نگینے
مینار آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھائے ہے کہ یہ خم دیکھیے اور اس بارگاہ سے ہمسری کا
دعویٰ اور دم دیکھیے۔ خم محراب ابرو سے اشارہ کر رہا ہے کہ اندر جاکر ذرا بہار کا عالم
دیکھیے نہیں نہیں پہلے حواس کو یہاں طاق پر رکھدیجیے تب آگے قدم بڑھایئے۔
سیر سے سیر ہونا تو نگاہ کے ہاتھ ہے لیکن حیرت ہر قدم کے ساتھ ہے۔ دورویہ سرو کے
درخت جوانان سبز رنگ کی طرح جوبن سے اکڑتے ہیں یا خوبان سبز پوش کھڑے
انگڑائیاں لے رہے ہیں۔ نشو ونما جو ہر شئے کو بڑھاتی ہے۔ شاید سرو کے لباس
میں کمربستہ یہاں آتی ہے۔ یا آب وہوا کی لطافت سے سرو کے پردے میں
آپ بڑھی جاتی ہیں۔ قطاروں کے بیچ میں ایک حوض طویل ہے گویا فی سبیل اللہ
سبیل ہے صاف پانی سے بھرا ہوا ہے۔ ہر سرو کے مقابل ایک ایک فوارہ
چھوٹ رہا ہے۔ ادھر زمرد کے فوارہ کا سرو نے نقشہ اُڑالیا ادھر پانی کے
فوارہ نے ہیرے کو پانی کرکے بہادیا۔ آئینہ مربع حوض کو دیکھکر حیرت میں آیا ہے۔ نگاہ کا
قدم پھسلا جاتا ہے۔ نہر بہشت اس کا خزانہ ہے۔ آئینہ اس کا آبدار خانہ ہے۔ بلکہ
آئینہ میں یہ روانی کہاں؟ اور وہ موجوں کے سلسلہ جنبانی کہاں؟ پانی اس کا
دودھ سے زیادہ مُصفا۔ برف سے زیادہ ٹھنڈا چونہ شیر خشت ہو جاوے تو روا ہے

پتھر یخ در بہشت بن جائے تو بجا جب فوارے چھوٹتے ہیں گویا آسمان سے تارے ٹوٹتے ہیں - پانی کی زمین - پانیکا درخت - پانی کے پھل پھول خدا کی قدرت ہے آئینہ کے چشمے سے موج کا چلنا - ہوا سے لڑنا معلق اچھلنا عجیب حکمت ہے روضہ سے پہلے حوض ہے - جائے غور و خوض ہے - عقل نے دریائے فکر میں غوطہ لگایا تو اس نکتہ کی تہ کو پہنچی بھید یہ ہے کہ نگاہ پہلے نہا کر پاک ہولے - تب روضہ کے طواف کی آرزو کرے - ناطقہ پہلے اُس آب مطاہر سے کلیاں کرلے تب بہار کی صفت میں گفتگو کرے - اس حوض کی یاد میں دریا کی پسلی پھڑکتی ہے - سینہ میں آگ بھڑکتی ہے - جوش کھا کر دیکھنے کو آتا ہے - مگر دیوار سے سر ٹکرا کر پھر جاتا ہے جدھر آنکھ اٹھایئے بیلا چنبیلی - موتیا - موگرا - جوہی - کیتکی - کیوڑہ - گلاب سدا بہار گینڈہ پھبک رہے ہیں - جہاں خیال دوڑایئے داؤدی - گل عباس گل مہندی نازبو گل زنبق گل رعنا گل دنک گل چاندنی شبّو کلغہ سیوتی دوپہری سورج مکھی نافرمان - سوسن - نرگس مہک رہے ہیں قسم قسم کے رنگ برنگ کے پھول پھول رہے ہیں - پیارے پیارے پرندے شاخ شاخ پر جھول رہے ہیں - بھانت بھانت کے سہانے درخت صبح و شام کو اُن پر دھوپ چھاؤں کا عالم - پتوں پر شبنم کی طراوت اور نم - چڑیوں کی غل - بچوں کی آپس میں چھیڑ چھاڑ چہل - نوجوانوں کے غول ہمجولیوں کی ہنسی ٹھٹول - کہیں گل کی قہقہے کہیں بلبل کی چہچہے اُدھر موروں کا شور ادھر مستوں کے جنوں کا زور - وہاں کوئل کوک اٹھتی ہے تو سینوں میں ہوک اٹھتی ہے - پپیہا جو بولا پی کہاں - تو پھر یہاں بدن میں جی کہاں ؟ ڈیڑ کی نئی نئی دھن ہے یہاں جامہ حیات سے اُدھیڑ بن ہے - طوطی کی جو بات ہے - نبات ہے - مینا کو

شیریں کلامی سے کام ہے۔ ناکاموں کا کام ہی تمام ہے۔ جگنو کا چمکنا تختوں کا
لہکنا۔ پھولوں کا مہکنا۔ کلیوں کا چٹکنا۔ غنچوں کا چٹکنا۔ دونو وقت کا ملنا۔
شب بو کا کھلنا۔ سنبل کا بال بکھیرنا۔ مچھلیوں کا حوض میں تیرنا۔ موج نسیم کا چلنا۔ سبزہ
کا لہلہانا۔ چڑیوں کا چہچہانا۔ پرندوں کا جھولنا۔ شفق کا پھولنا۔ گلزار خیال کا
تماشا دکھاتا ہے یہ سماں دیکھکر کوئی پھول کی مانند پھولا نہیں سماتا۔ کوئی بوئے گل کی طرح
جامہ سے باہر ہوا جاتا ہے۔ بیلا بیلا گ دل کو کھینچتا ہے چنبیلی کی البیلی وضع پر
روح شیدا ہے۔ مہندی کے ٹٹیوں پر چاندنی لوٹ پوٹ ہے چاند کے سینہ پر داغ
اور دل میں چوٹ ہے۔ لالہ لعل سے بہتر سبزہ زمرد کا ہمسر کیاریوں کے کنارے
ہری دوب۔ کاشانی مخمل سے خوب و مرغوب۔ درختوں کے تھالے ہیں۔ یا دودھ
کے بھرے پیالے۔ آبشار ہے یا آئینہ پشت بدلوار ہے۔ چادر آب پر جو نقش و نگار
ہے قلم قدرت کا یادگار ہے مہتاب سرو سے ہم آغوش ہے۔ یا کوئی جوان سبزہ رنگ
بادلہ پوش ہے۔ گلنار سے لعل انگاروں پر لوٹتا ہے۔ سبزہ کی آسایش سے زمرد
زہر کھاتا ہے۔ لالی آتش کے پر کاٹے۔ چاندنے سبزہ میں کھیت کیا ہے۔ یا سبز
مخمل پر قیش کتر کے چھڑک دیا ہے۔ خیابان میں کلغے کے پھول پتے سرخ سبز بوٹیوں کا
قالیچہ بچھا رہے ہیں۔ ہار سنگھار کی گلکاریاں ہیں یا آگ کی چنگاریاں ہیں بیر بہوٹیاں
رینگتی ہیں۔ یا یاقوت کا خون بہ رہا ہے۔ چمن میں لالہ زار ہے۔ یا شعلۂ چنار ہے
آب و ہوا کی لطافت سے عجب نہیں۔ موتی صدف سے موتیا کی کلی کی طرح کھل کر
نکل آئے۔ خار یا ہے سبز ہو جائے۔ شاخ آہو ثمر لے آئے۔ میوے کا نام زبان پر
آیا۔ اور حلاوت کے منہ میں پانی بھر آیا۔ کولا۔ رنگترہ۔ چکوترہ۔ لیموں۔ زرد آلو۔

شفتالو۔ انار۔ سیب۔ بِہی۔ انگور۔ اننّاس۔ ناشپاتی۔ کیلا۔ بیر۔ کمرک۔ شریفہ۔ کٹھل۔ بڑھل۔ آم۔ املی۔ جامن۔ امرود۔ شہتوت۔ کھرنی۔ موّہ۔ کوئی پھل نہیں جو اس باغ میں نہو۔ اور ساگ ترکاری۔ جڑی بوٹی کوئی شے ایسی نہیں جو یہاں کا باغبان نہ بوتا ہو۔ کہیں کوے رنگترے سے چمن و مہک رہا ہے کہیں جامن فالسے نے زمین کی پوشاک اُودی۔ سیب نے آسیب کی زحمت دفع ہو جاتی ہے۔ بہی فربہی لاتی ہے۔ ناشپاتی روح کو راحت دیتی ہے۔ انار نے خلق کے مُنہ موتیوں سے بھرے ہیں۔ شعلہ رو لبوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ ہر دانہ مُرغ روح کا آشیانہ جس میں ایک ہی جگہ آب و دانہ۔ شہتوت تمام عالم کا قوت۔ انجیر بالکل شکر و شیر۔ امرود حلوائے بے دود۔ آم سے شیریں لبوں کے ہونٹوں پر مُہر خموشی۔ آگے روضہ نظر آیا تو وہ سمان آنکھوں میں سمایا۔ کہ نہ دیدنی خواب کی آنکھوں سے دیکھا۔ نہ شنیدنے خیال کے کانوں سے سُنا۔ الہی! یہ روضہ ہے یا مسکن رضوان۔ صحن چمن ہے یا خلد بریں؟ کاشانۂ حور ہے یا بُقعۂ نور۔ آسمان ہے یا زمین۔ سُنہری کلس ہے۔ یا سورج کی کرن۔ گنبد ہے یا نور و نار کا نشیمن؟ مکان ہے یا جواہرات کی کان ذرۂ ریگ۔ گوہر غلطان۔ سنگ ریزہ۔ ریزہ الماس سے خوش آب۔ کلس کا عکس دریا میں ہے یا منزل آبی میں آفتاب دیوار میں مُنہ نظر آتا ہے۔ گویا آئینہ ہے جِلا کیا ہوا۔ گنبد سے دماغ تازہ ہوتا ہے قرابہ ہے گلاب سے بھرا ہوا۔ طباشیر صُبح کی استرکاری ہے۔ جو یہ نور کا عالم ہے۔ رات کا مشک اور شفق کا زعفران گارے میں ملایا ہے۔ جو یہ مہک اور چمک ہے۔ ترنج آفتاب کا عرق نچوڑا ہے۔ جام مہتاب میں ڈالا ہے۔ آب گوہر

سے ملایا ہے۔ جو چونہ ہیں یہ نور و صفا ہے کا فور بہشت شہاب شفق آفتاب کے کھرل میں پیسا ہے۔ دامن صبح میں چھانا ہے جو یہ آب و تاب ہے جالیاں ہیں؟ یا پتھر کو موم کر کے بال کتے قلم سے کام کیا ہے۔ یا چنبر خیال پر نوک نظر سے کام لیا ہے ؎

زبان گویا

اے میری بُلبل ہزار داستان! اے میری طوطئے شیوا بیان! اے میرے ترجُمان! اے میرے وکیل! اے میری زبان! سچ بتا تو کس درخت کی ٹہنی اور کس قسم کا پودا ہے؟ کہ تیرے ہر پھول کا رنگ جُدا! اور تیرے ہر پھل میں ایک نیا مزا ہے۔ کبھی تو ایک ساحر فسوں ساز ہے جس کے سحر کا رد۔ نہ جادو کا اُتار کبھی تو ایک افعی جان گداز ہے جس کے زہر کی دارو۔ نہ کاٹے کا منتر۔ تو وہی زبان ہے کہ بچپن میں کبھی اپنے ادھورے بولوں سے غیروں کا جی لبھاتی تھی۔ اور کبھی اپنی شوخیوں سے ماں باپ کا دل دکھاتی تھی۔ تو وہی زبان ہے کہ جوانی میں کہیں اپنی نرمی سے دلوں کو شکار کرتی تھی۔ کہیں اپنی تیزی سے سینوں کو فگار کرتی تھی۔ اے میری زبان! دشمن کو دوست بنانا اور دوست کو دشمن کر دکھانا تیرا ایک کھیل ہے جس کے تماشے سینکڑوں دیکھے۔ اور ہزاروں دیکھنے باقی ہیں۔ اے میری بنی بات کے بگاڑنے والی! اور میرے بگڑے کاموں کے سنوارنے والی! روتے کو ہنسانا اور ہنستے کو رُلانا۔ روٹھے کو منانا۔ اور بگڑے کو بنانا نہیں معلوم تو نے کہاں سیکھا ہے۔ اور کس سے سیکھا؟ کہیں تیری باتیں بس کی گانٹھیں ہیں اور کہیں تیرے بول شربت کے گھونٹ ہیں۔ کہیں تو شہد ہے۔ اور کہیں حنظل۔ کہیں تو زہر ہے کہیں تریاق!! اے زبان! ہمارے بہت سے آرام اور بہت سی تکلیفیں۔ ہمارے ہزاروں نقصان اور ہزاروں فائدے

ہماری عزت و ذلت ہماری نیکنامی بدنامی ہمارا جھوٹ سچ تیری ایک ہاں اور
ایک نہیں پر موقوف ہے تیری ہاں اور نہیں نے کروڑوں کی جانیں بچائیں
اور لاکھوں کا سر کٹوایا۔ اے زبان تو دیکھنے میں تو ایک پارہ گوشت ہے مگر
طاقت تیری قدرت الٰہی کا نمونہ ہے۔ دیکھ اس طاقت کو رائیگاں نہ کھو اور
اس قدرت کو خاک میں نہ ملا۔ راستی تیرا جوہر ہے۔ اور آزادی تیرا زیور۔ دیکھ اس
جوہر کو برباد نہ کر اور اس زیور کو زنگ نہ لگا ۔ تو دل کی امین ہے اور روح کی ایلچی
دیکھ امانت میں خیانت نہ کر۔ اور روح کی پیغام پر حاشئے نہ چڑھا۔ اے زبان تیرا
منصب بہت عالی ہے۔ اور تیری خدمت نہایت ممتاز کہیں تیرا خطاب کاشف اسرار
ہے۔ اور کہیں تیرا لقب محرم راز۔ علم ایک خزانہ غیبی ہے اور تو اس کی کنجی۔ دیکھ اس
قفل کو بے اجازت نہ کھول۔ اور اس خزانے کو بے موقع نہ اٹھا۔ وعظ و نصیحت تیرا
فرض ہے اور تلقین و ارشاد تیرا کام۔ ناصح مشفق تیری صفت ہے اور مرشد برحق تیرا نام۔
خبردار اس نام کو عیب نہ لگانا اور اس فرض سے جی نہ چرانا۔ ورنہ یہ منصب عالی تجھ سے
چھن جائیگا۔ اور تیری بساط میں وہی ایک گوشت کا چھچھڑا رہ جائیگا۔ کیا تجھ کو یہ امید ہے
کہ تو جھوٹ بھی بولے۔ اور طوفان بھی اٹھائے تو غیبت بھی کرے اور تہمت بھی لگائے
تو فریب بھی دے اور چغلیاں بھی کھائے۔ اور پھر وہی زبان کی زبان کہلائے نہیں
ہرگز نہیں۔ اگر تو سچی زبان ہے تو زبان ہے ورنہ زبون ہے بلکہ سراسر زیان ہے اگر
تیرا قول صادق ہے۔ تو شہد فایق ہے ورنہ تھوک دینے کے لایق ہے۔ اگر تو راست گفتار
ہے تو ہمارے منہ میں اور دوسروں کے دلوں میں جگہ پائیگی ورنہ گدی سے کھینچ کر نکالی
جائیگی۔ اے زبان جنہوں نے تیرا کہنا مانا اور جو تیرا حکم بجالائے۔ انہوں نے سخت الزام

اُٹھائے اور بہت پچھتائے۔ کسی نے اُنہیں فریبی اور مکّار کہا۔ کسی نے گستاخ اور مُنہ پھٹ
اُن کا نام رکھا۔ کسی نے ریاکار ٹھہرایا۔ اور کسی نے سخن ساز۔ کسی نے بدعہد بتایا اور کسی
نے غمّاز۔ غیبت اور بُہتان مکر اور افترا۔ طعن تشنیع گالی دشنام پھکڑ ضلع جگت اور
پھبتی غرض دُنیا بھر کے عیب اُن میں نکلے۔ اور وہ سب کے سزاوار ٹھہرے۔ اے زبان
یاد رکھ ہم تیرا کہا نہ مانینگے۔ اور تیرے قابو میں ہرگز نہ آئینگے۔ ہم تیری ڈوری ڈھیلی نہ
چھوڑینگے۔ اور تجھے مطلق العنان نہ بنائینگے۔ ہم جان پر کھیلینگے پر تجھ سے جھوٹ نہ
بُلوائینگے۔ ہم سر کے بدلے ناک نہ کٹوائینگے۔ اے زبان! ہم دیکھتے ہیں کہ گھوڑا جب
اپنے آقا کو دیکھ کر محبت کے جوش میں آتا ہے تو بے اختیار ہنہناتا ہے اور کتّا جب پیار
کے مارے بیتاب ہو جاتا ہے تو اپنے مالک کے سامنے دُم ہلاتا ہے۔ سُبحان اللہ!
وہ نام کے جانور اور اُن کا ظاہر باطن یکساں۔ ہم نام کے آدمی اور ہمارے دل میں
نہیں اور زبان پر ہاں۔ !!!

الٰہی اگر ہم کو رخصت گفتار ہے تو زبان راست گفتار دے اور اگر دل پر تجھ کو اختیار ہے
تو زبان پر ہم کو اختیار دے۔ جب تک دنیا میں رہیں۔ سچّے کہلائیں اور جب
تیرے دربار میں آئیں تو سچّے بنکر آئیں ؀

حالی

غذا

زندگی کا دار و مدار غذا پر ہے۔ آدمی آن کا کیڑا مشہور ہے۔ اس گھڑی کی روزانہ کوک یہی ہے۔ سارے کل پُرزے اسی سے چل رہے ہیں۔ جب تک غذا معدہ میں پُہنچے جاتی ہے شُش کا پنڈولم حرکت کیئے جاتا ہے۔ اور دل گُردے کی چرخیاں کام دے رہی ہیں۔ سچ پوچھیئے تو معدہ وہ عضو ہے کہ تمام راس و رئیس اس خوان کرم کے زلہ بردار ہیں۔ سارے اعصاب و عضلات اُس کا جھوٹا کھا کر جیتے ہیں۔ جگر کا خزانہ اس کے دست سخاوت سے معمور ہے۔ خون کا دور اس کے دم سے قائم ہے شہر یانیں اس کے بل پر کودتی ہیں۔ ہاتھ پانو اس کے سہارے چلتے ہیں۔ کل اسفل و اعلیٰ اس کے محتاج ہیں۔ اور یہ سب کا سردار ہمارا نمک حلال خدمت گزار شبانہ روز اپنے کام میں سرگرم ہے۔ اور کبھی فرض منصبی میں غفلت نہیں کرتا فقط غذا کا بھوکا ہے۔ وقت و مقدار کے موافق ملک و موسم کے مناسب خوراک مل جائے تو ہماری صحت و حیات کا پورا ذمہ دار ہے۔ وفادار اور دلسوز ایسا کہ وقت کا خیال رکھتا ہے۔ گرمی میں جاڑوں کی ترکاریاں نہیں مانگتا۔ جاڑوں میں برسات کے پھل نہیں چاہتا۔ ہندوستان میں سیب سمرقند اور انگور بخارائی پر نہیں مچلتا۔ شیرخوار بچے کے پاس ہے تو دودھا دھاری بنا رہتا ہے۔ جب تک دانت نہ نکل آئیں۔ اور چیز پر رغبت نہیں کرتا۔ جوان پہلوان کی خدمت میں ہے تو دن میں پانچ پانچ دفعہ ہضم کرتا ہے۔ جوں جوں آقا ضعیف ہوتا جاتا ہے اور معاش میں کمی پڑتی جاتی

ہے۔ یہ بھی اپنی خوراک کم کرتا جاتا ہے۔ جوان کا بل تنگدست ہے تو اول اول آنکھیں دکھاتا ہے۔ آخر حق نمک !! دم کو سے رہتا ہے۔ وو وو دن کچھ نہیں مانگتا۔ بیماری سے اُٹھے ہو۔ طبیعت افسردہ ہے۔ صفرا بڑھ گیا ہے۔ جسم میں خون کم ہے فرحت کی ضرورت ہے غسل صحت پر ڈالی آئی ہے۔ گوناگون بوقلموں پھل میوے سامنے چنے ہیں۔ یہ آپکا نیچرل ڈاکٹر کبھی انار ترش پیش کرتا ہے کبھی نارنگی دکھاتا ہے کبھی خوشہ انگور کی طرف اشارہ ہے کبھی آم کو روک دیتا ہے کہ شیریں ہے مولد صفرا ہوگا۔ کبھی جامن کو منع کرتا ہے۔ نہار مُنہ نہ کھایئے۔ اللہ! اللہ! ایسا ہرکارہ وہمہ دان ایسا معتمد کارگزار۔ اچھے دنوں میں شیر۔ بُرے دنوں کا رفیق !! ہمیں چاہیئے اس کی قدر کریں۔ اس کا درد اپنا درد سمجھیں۔ بساط سے زیادہ کام نہ دیں۔ مقدور معدہ مقدار غذا کا خیال رکھیں۔ مدت ہضم انتہا پانچ گھنٹہ ہے۔ ایک گھنٹہ آرام دیں کہ جفاکش کمیرا پھر تازہ دم ہو جائے ہضم کیواسطے رجحان طبیعت دوران خون بھی درکار ہے۔ یہ دو نو معدے کے مددگار ہیں۔ بعد طعام نہانا سونے مطالعہ ورزش سے طبیعت تائید ہضم نہیں کرتی۔ خون اُدھر نہیں جاتا۔ اسسٹنٹوں کو افسر کی رائے پر چھوڑیں حسن انضباط میں ضرور ہے کہ ہر کام کے لئے ایک وقت اور ہر وقت کے واسطے ایک کام ہو ۔

غذا میں نہ ایسا تکلف ہو کہ تو ابض و تلین بطی و سریع ساتھ ہوں۔ نہ ایسی سادگی ہو کہ ہمیشہ ایک غذا رہے معدہ نہ پولیٹکل ایجنٹ ہے کہ جنگی معاملات کا فیصلہ کیا کرے نہ زاہد تارک اللذات ہے کہ ایک غذا کا عادی بن جائے اور اسی پر بسر کر دے مناسب یہ ہے کہ نہ کئی کھانے ایک وقت کھائیں نہ ایک کھانا کئی وقت کھائیں۔ خدا کی قدرت

دیکھو گرمی میں اکثر ترکاریاں سرد مصلح حرارت مسکن صفرا پیدا ہوتی ہیں اور جاڑوں
میں اکثر گرم اسی طرح سرد ملک میں حیوانی غذائیں اور گرم میں نباتی زیادہ پیدا
ہوتی ہیں۔ وہاں کے باشندے انہیں کی رغبت و عادت رکھتے ہیں۔ غرض پیداوار
میں قدرتاً مناسبت ہوتی ہے۔ صحت کے واسطے ضرور ہے کہ موسم کا میوہ فصل
کی ترکاری معدے کو پہنچاتے رہیں۔ اور جس جگہ ملازم ہوں جہاں کا پانی پئیں وہاں کی
پیداوار غذا میں زیادہ داخل کریں۔ رفتہ رفتہ اسی کے عادی بن جائیں۔ پانی
اور غلہ میں بھی مناسبت ہوتی ہے۔ بہت سا ایکبار کھانے سے تھوڑا تھوڑا کئی بار
کھانا بہتر ہے۔ چار دن فاقہ کر کے چار دن کی غذا ایک دفعہ کھانا ممکن نہیں مقدار
غذا۔ حرارت معدہ۔ مدت ہضم تینوں میں موافقت ہونی چاہیے۔ دیر ہضم مقدار گھٹانے
سے جلدی ہضم ہو سکتی ہے۔ کھانے کا وقت معدے سے پوچھیں۔ گھڑی غلط بتائیگی
جو لوگ اس سے مشورہ نہیں لیتے خدا کے گنہگار رہیں۔ اور اپنے دشمن صحت انکو
ناگوار ہے۔ اُن کی خودرائی ہر وقت مرض کو پکارتی رہتی ہے کتنی بڑی غلطی ہے
اور کس قدر عام ہے کہ لوگ دوا غذا میں تمیز نہیں کرتے۔ وہ نہیں جانتے کہ جو شئے
جزو بدن ہوتی ہے وہی غذا ہے۔ اسی کی روزمرہ ضرورت ہے۔ میوہ۔ ناج
گوشت انڈا پھل۔ ترکاری دودھ۔ روغن۔ شکر یہی چیزیں ہیں۔ جو جسم کا بدل
ما یتحلل ہوتے ہیں۔ ان کے سوا سب چیزیں حالت مرض میں کام آتی ہیں۔ اور دوا
کھلاتی ہیں۔ انسان کے فزیالوجی پر غور کرو۔ اور صحیح واقعات عالم کو دیکھو۔ سیاح
جزیروں میں جا نکلے ہیں۔ اور راستہ بھول گئے ہیں تو دریائی جانوروں کے شکار
سے پیٹ بھرا ہے۔ اکثر ہندو مہاتماؤں نے پھل پھول پر گذارہ کیا ہے۔ بعضے سب

چیزیں تیاگ کرو دودھ پر بسر کرتے ہیں۔ بہت سے مجاہد و مرتاض صوفیہ کرام نے جو
و خرما کو سد رمق بنایا ہے۔ اب جہل و حمق سے دن رات دوائیں بلا مرض و بلا وجہ
استعمال ہوتی ہیں۔ مرد ہر وقت حقے گڑگڑاتے ہیں۔ عورتیں زردی کے پھنکے مارتی
ہیں۔ کھانوں میں برابر کا مصالحہ نہو تو زبان کو چٹخارا نہیں آتا۔ نئی روشنی کا اندھیر
دیکھو کہ چرٹ شراب کا رواج روز افزوں ہے۔ نیو فیشن اور نیچری محقق آزاد مزاج
کہلاتے ہیں۔ قانون قدرت کے قایل ہیں۔ معقولات کے عالم ہیں۔ لیکن تقلید
میں گرفتار ہیں۔ حقہ چنڈو افیون سے ہی ملک تباہ تھا۔ اب سمند جہل کو ایک اور
تازیانہ ہوا۔ اول تو انگریزوں میں ہی شرابیوں کی اوسط مرگ سہ چند ہے۔ یہ نبھی
ہوتی۔ تو بھی ہندو انگلنڈ کی حرارت و برودت اور دونو قوموں کے مزاج و معاشرت
میں بین فرق ہے۔ چرٹ میں جتنی دقت کم ہے۔ اسیقدر مضرت زیادہ۔ خصوصاً
طلبا کو اس سے پرہیز نہ کرنا خودکشی کا مرتکب ہونا ہے۔ جوں جوں علم سے بصیرت بڑھتی جاتی ہے بصارت
گھٹتی جاتی ہے جب جان بوجھکر اندھے بنتے ہیں تو آخر قدرت انکو اندھا کر دیتی ہے۔ پیارے
طالبعلمو! انگریزی تقلید کرتے ہو تو وہی طرز معاشرت بھی اختیار کرو۔ اور کچھ نہو ایام تعلیم
میں تو انگریزی قواعد حفظ صحت کے پابند ہو جاؤ کالج کی ڈگریاں تمہاری بصارت حیات
نسل کے عوض میں نہایت گراں ہیں ایسا سودا کرو جسمیں فائدہ ہو مسکرات کے پاس نہ جاؤ
چائے پان کو منہ نہ لگاؤ۔ حقے چرٹ کو آگ لگا دو۔ وہ چیز کھاؤ جو جزو بدن ہو بدن کی پرورش
کرے۔ دماغی قوت بڑھائے معین صحت ہو۔ ان ظالم جانستان چیزونکا اثر اگر فوراً ہو جایا
کرتا۔ تو گورمنٹ سمیات کیطرح انکا انتظام کرتی اور کھانیوالیکو خودکشی کا مجرم ٹھہراتی ہے
لیکن یہ رفتہ رفتہ اثر کرتی ہیں اور دانا دشمن کیطرح جڑ کاٹتی ہیں ؎

مولف

ہمارا لٹریچر

اُردو زبان کی تاریخ پر عمدہ طور پر غور ہو چکا اور اُس کی اگرچہ اُسی زمانہ میں بنا پڑ گئی تھی جبکہ مسلمانوں کا قدم پہلے پہل ہندوستان میں آیا۔ مگر اس بات کو اکثروں نے تسلیم کر لیا ہے کہ زبان اُردو کے ایک متمائز صورت اختیار کرنے کی تاریخ نسل تیمور کے پانچویں تاجدار ہند شاہجہان کے عہد سے شروع ہوتی ہے۔ حسب قاعدہ فطرت اردو چونکہ ابتداً صرف خلاقی صحبتوں اور ان کی دلچسپیوں میں مزے دکھا رہی تھی لہذا عموماً ابتدائے شعرائے اُردو یا اردو کے بچپن کے قدر دانوں نے علم باہم ضرورتوں میں اس گھریلو زبان سے کچھ کام نہیں لیا ؂

یہ ظاہر ہے کہ ادھر دو تین صدی پہلے تک کا زمانہ اسلام کا آخری دور تھا۔ ایسے لوگ نہیں رہے تھے جو کسی بچے کے تیور دیکھتے ہی اُس کے ہونہار ہونے یا نہ ہونے کا اندازہ کر لیتے۔ اور اسی غلطی نے عرصہ تک اُردو کو کسی قسم کی معتد بہ وقعت نہ حاصل کرنے دی۔ اور کیونکر ہوتا جب تقدیر نے تو یہ نیک نامی فاتحان مغرب کی قسمت میں لکھدی تھی بس یہی ہوا۔ برٹش حکومت نے اُردو کو عدالت کی کرسی تک نہیں پہنچایا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ خاک سے اُٹھایا اور آسمان پر پہنچا دیا۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ قبل اسکے کہ انگریز اس زبان میں اپنا بابرکت ہاتھ لگائیں اردو کی کیا حالت تھی ہ کیونکہ انگریزوں نے اُردو کی قدر و منزلت بڑھانے میں چاہے جس قدر مبالغہ کیا ہو مگر اُس میں شک نہیں کہ مسلمان اپنی تنہا کوششوں سے اس زبان کو بہت مضبوط اور شائستہ بنا

بچے تھے۔ انگریزوں کو مسلمانوں کے ہاتھ سے یہ زبان نفس ایک زبان ہونیکی حیثیت
سے پوری اور کمال کے درجہ پر پہنچی ہوئی ملی۔ لہٰذا ظلم ہوگا اگر اردو کی اصلیت اور
ترقی پر بحث کرتے وقت مسلمانوں کی کوششیں قدردانی کی نظر سے نہ دیکھی جائیں۔
ظاہر ہے کہ اردو کا پہلا وطن دہلی ہے اور ترقی کی دنیا میں دہلی کی جو رفتار
تھی وہی رفتار زبان اردو کی رہی۔ شاہ جہان اور عالمگیر کے زمانے البتہ ترقی
کے زمانے تھے۔ مگر ان دونوں گویا اردو کا عالم ہیولانیت تھا۔ شائستہ اور لایق
صحبتوں میں کوئی اردو کی بات بھی نہ پوچھتا تھا۔ ان بعد کے دور اپنی ہمت اور طاقت
کے موافق اردو کی قدر کرتے رہے۔ اگرچہ طوائف الملوکی اور بے انتظامیوں نے
دہلی کو اس قابل بھی نہیں رکھا تھا کہ وہ اردو کی ایسی ایک آزاد طبع اور فارغ البالی
چاہنے والے بچے کی پرورش کر سکے۔ مگر باوجود اس ناقابل ہونے کے دہلی سے
اردو کی ترقی میں جو جو کوششیں ظاہر ہوئیں قابل تحسین ہیں۔ مگر افسوس ان کی
کوششوں کی بھی دہلی کبھی قدر نہ کر سکی۔ دہلی میں جتنے نامور اور معجز بیان شعرا ہوئے
زمانہ نے ان کا قدم بھی وہاں نہ جمنے دیا۔ میر سودا انشا یہ ایسے لوگ نہ تھے کہ اگر دہلی
میں ذرا بھی صلاحیت ہوتی تو انہیں شہر پناہ سے بھی نکلنے دیتی۔ سودا جنہیں
وطن سے بڑی محبت تھی اور ان کے ابتدائی تیور کہہ رہے تھے کہ دلی چھوڑ کے
کہیں نہ جائینگے مگر وہاں کی ناقدردانیوں سے آخر ان کے استقلال میں بھی فرق
آگیا۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو کو صرف وطن ہونے کے سبب سے
دلی کے ساتھ ایک قسم کا انس تھا ورنہ دلی والوں میں اسکی ترقی کے متعلق کوئی حقیقی تحریک
نہ تھی۔ اگر بعض پچھلے شاہان دہلی شعرائے اردو کی قدردانی کی طرف متوجہ بھی

ہوئے تو اُس وقت زمانہ ان کے خلاف تھا اپنی حیثیت سے اُنھوں نے بہت کیا مگر اصل میں پوچھئے تو کچھ نہ تھا خلاصہ یہ کہ اُردو کو جہاں تک تعلق دلّی سے رہا وہ فلسفیانہ طور پر باعث تنزل ہو سکتا ہے نہ باعث ترقی کیونکہ خود دہلی کی سلطنت رو بہ تنزل تھی۔

یہی سبب تھی اور دلی کی یہ بے استطاعتی دیکھ کے اُردو کو بھی آخر دلّی چھوڑنا ہی پڑی۔ لکھنؤ کا دربار دلی کے مقابلہ میں چاہے کتنا ہی چھوٹا ہو مگر اُس زمانہ شاہان دہلی کے درباروں سے بدرجہا بڑھا ہوا تھا۔ زمانہ تصدیق کر رہا تھا کہ جو دلّی سے جاتا ہے وہ لکھنؤ میں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے۔ کمالوں کی قدر ہوتی ہے اور طبع آزمایوں کی داد دیجاتی ہے۔ اُردو کے وہ تمام لایق اور سخن سنج شعرا جن کی گود میں اُردو پرورش پا رہی تھی اپنے ہونہار بچّے کو بغل میں دبائے ہوئے لکھنؤ میں آئے جہاں ان کے استقبال کے شوق میں ہر امیر و غریب کی آنکھیں بچھ گئیں لکھنؤ پہنچ کے اس بچہ نے آنکھ کھولی۔ دیکھا تو دلّی کے خلاف جہاں تجارت پیشہ لوگوں کو اپنے لین دین سے اس کی طرف متوجہ ہونیکی مہلت نہ تھی۔ یہاں کی تمام صحبتیں اطمینان و فراغت سے طبع آزمائی میں مصروف ہیں۔ فی الحقیقت ایک ایسی زبان کے لئے جو ترقی کرنا چاہتی ہو یہ صحبتیں نہایت موزوں ہو سکتی تھیں۔ اردو کو سب ہوئے قدر و منزلت سے قبول کیا۔ اور اس بچہ نے کچھ اس فصاحت و بلاغت سے اپنے ساتھ تمام شہر کی زبان کھول دی کہ گویا یہی بچہ لکھنؤ کے ہر ہر گھر میں بلبل ہزار داستان کی طرح چہک اُٹھا۔

یہ تو زبان اُردو کی بحیثیت زبان تاریخ تھی۔ باقی رہے خیالات جو اس زبان کے ذریعہ سے ظاہر کئے گئے ہیں اسمیں شک نہیں کہ دہلی والے عموماً قدیم سے علی جذبات

کے اُبھارنے اور نیچر کا سامان دکھانے کی طرف متوجہ رہے۔ اور تھوڑے بہت اب بھی ہیں بخلاف لکھنؤ والوں کے جو ہمیشہ سے بلند پروازی اور مضمون آفرینی کیطرف جاتے ہیں۔ اس محل پر ہم دہلی کے رنگ کو لکھنؤ کے خیالی معرکہ آرائیوں پر ترجیح دیتے ہیں اور یہ پر کیا منحصر ہے؟ انگریزی جوں جوں ترقی کرتی جائیگی دہلی والوں کا رنگ ہر دل عزیز ہوتا جائیگا۔ انگریزی تعلیم سے شکسپیر اور گولڈسمتھ کے پُر ور رنگ سے دلوں کو ایک خاص قسم کا لگاؤ ہو جاتا ہے۔ اور انسان اسی قسم کا رنگ ہر جگہ ڈھونڈھنے لگتا ہے۔ اُردو کی دنیا میں ایسے شخص کو صرف دلی والوں کے شاعروں میں اپنے مذاق کی پھیکی پھیکی باتیں نظر بھی آجاتی ہیں مگر لکھنؤ والوں کے نازک خیالوں میں اس کو ایسی ایک بات بھی نظر نہیں آتی۔ اور اسی سبب سے دلی کی شاعری لکھنو کی شاعری کو اب کسی قدر زک دینے لگی ہے لیکن اوّل تو اُس سے دلی والوں کی زبان کو ترجیح کا کوئی موقع نہیں ملسکتا۔ دوسرے جو ملل میں ظاہر کرتا ہوں اُس سے ہر صاحب انصاف تسلیم کریگا کہ یہ امر بھی لکھنؤ والوں کیلئے ایک ایسی حجت ہوگی جس کی بنا پر وہ اپنی زبان کی خوبیوں کا سب سے اعتراف کرالیں گے۔

شاعری کا قاعدہ ہے کہ قدرتی طور پر ہر زبان میں پیدا ہو جاتی ہے۔ شاعری جس زبان میں پیدا ہوتی ہے اُس زبان کے علمی اور مضبوط زبان ہونیکا انتظار نہیں کرتی۔ مگر ہر زبان کی ابتدائی حالت۔ اور اُس زبان کے بولنے والوں کا مذاق سیدھا سادہ ہوتا ہے اسوجہ سے اس کے پہلے شعرا انہیں چیزوں اور انہیں خیالات سے کام لیتے ہیں جو بالکل سامنے کے اور پیش پا افتادہ ہوں۔ اور قدرتی طور پر انکے کلام سے نیچر کی جھلکیاں نظر آنے لگتی ہیں مگر وہ زبان جوں جوں علوم

و فنون اور قواعد و ضوابط کی دنیا میں قدم رکھتی جاتی ہے شعرا اور زبان والوں کا
مذاق بھی بدلتا جاتا ہے جن لوگوں نے عربی کے پہلے اور پچھلے کارنامے دیکھے
ہوں گے انہیں اس خیال کے تسلیم کر لینے میں ذرا عذر نہوگا جاہلیت کی کلام
مثلاً سبعۂ معلقہ اور دیوان حماسہ کے مرثیوں کے سامنے دیوان متنبی یا دیگر مولدین
کی کلام کو لا کر رکھئے تو معلوم ہو کہ پچھلے شعرا صرف علوم کی چاشنی پاکر کہاں سے
کہاں جا پڑے ہیں۔ یہ بات کچھ عربی ہی پر منحصر نہیں دنیا کی تمام زبانوں کی
ابتدائی و انتہائی حالت کا جب اندازہ کیجیے گا صاف معلوم ہو جائیگا کہ علوم نے
بے تکلف نیچرل مذاق کو تدریجاً کسیقدر بدل دیا ہے۔ ہاں انگریزی زبان کی شاعری
اس سے مستثنےٰ ہے کیونکہ انگریزی جوں جوں ترقی کرتی جاتی ہے دوں دوں اسکا
نیچرل مذاق اور نکھرتا گیا۔ اور انگریزی شعرا روز بروز زیادہ چلا دیتے گئے اسکی
وجہ یہ تھی کہ انگریزوں نے شاعری کی ماہیت پر غور کر کے فیصلہ کر لیا تھا کہ شاعری
صرف انسان کے دلپر اثر ڈالنے اور واقع کی تصویر دکھانیکا نام ہے۔ اسی خیال
نے نہ انہیں علم کے عالیشان چو منزلوں پر چڑھنے دیا اور نہ فنون کی پیچیدہ بھول
بھلیاں میں قدم رکھنے دیا مگر اردو شعرا نے شاعری کا کوئی مسلم الثبوت اصول
نہیں قرار دیا تھا لہذا اردو انگریزی کی طرح ترقی السنہ کے عام قاعدہ سے نکل نہیں
سکتی تھی۔ یہ قاعدہ کلیہ بیان کر کے ہم صاف صاف کہتے ہیں کہ اردو جبتک دہلی
میں رہی بچہ تھی اس کے شعرا اپنی ٹوٹی پھوٹی بچوں کی زبان میں بچوں ہی کے ایسے
سیدھے سادے خیالات ظاہر کرتے تھے۔ مگر لکھنؤ میں آنے کے بعد اردو نے ترقی کی
علمی و اخلاقی دنیا میں قدم رکھا۔ یہاں اس کی تدریجی ترقی و اصلاح کے ساتھ

شعرا کے خیالات میں بھی حسب قاعدہ بلند پروازی و نازک خیالی پیدا ہو گئی۔ قطع نظر اس کے جن لوگوں نے انگریزی علم عروض اور قواعد شعر و سخن کو غور سے دیکھا ہے وہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اُردو نظم میں جسقدر سختی کیگئی ہے اسیقدر انگریزی میں سہولت سے کام لیا گیا ہے۔ اُردو شاعری میں صدہا قیدیں اور ہزارہا قسم کی پابندیاں ہیں۔ اور ترقی کرتے جاتے ہیں بخلاف اس کے انگریزی میں بہت کم اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ باوجود اس ترقی کے ابتک قافیہ کی ضرورت نہیں اور اُردو میں جب تک قافیہ کی پابندی نہو شعر ہی نہیں ہوسکتا۔ اُردو میں غزل اسقدر سخت چیز ہے جس کی نظیر انگریزی کیا معنے عربی میں بھی نہیں مل سکتی۔ اب غزل کی قیود کا لحاظ کرکے اُردو کے مقابل میں انگریزی نظم کو دیکھئے تو کسقدر آسانی معلوم ہوتی ہے ہمارے مشہور نیچرل مذاق کے مجدد جناب حالی انگریزی رنگ کی طرف جُھکے تو مجبوراً اُنہوں نے اپنے آپ کو عموماً نظم اُردو کی قیود سے آزاد کرلیا یہ کون کہہ سکتا ہے کہ حالی اصول شعر سے ناواقف ہے مگر اصل یہ ہے ان مجبوریوں نے اُنہیں قدیم شاعری کی تقلید سے الگ کردیا نفس زبان کے متعلق ہم نے جو لکھنؤ والوں کے حق میں فیصلہ کردیا ہے اس دھوکے میں وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ اُن کا کلام قابل نکتہ چینی ہی نہیں۔ اپنے خیالات کی نسبت اُنکو دہلی کے شعرا سے سبق لینا چاہئے۔ لکھنؤ والے کچھ ایسی زلف و کاکل اور بیہودہ بلند پروازیوں میں پڑ گئے ہیں کہ انکی شاعری روز بروز بیکار اور فضول ہوتی جاتی ہے اگرچہ اس زمانہ میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ جن کو میر اور مومن کی پُردرد مذاق کی طرف توجہ ہے۔ مگر عام شعرائے لکھنؤ ابھی اپنے اُسی رنگ پر ہیں اگرچہ

زبان کے اعتبار سے شعرائے لکھنؤ کو بیشک اپنے حریف دہلی والوں پر ترجیح ہے مگر
انکی پھیکی مذاق نے ایسی خرابیاں پیدا کردیں کہ آج لکھنؤ والوں کے دیوان عام کلیتیں
بے مزہ ہوتے ہیں اور دہلی والوں کا کلام ایک جیتا جاگتا اثر کیساتھ ہر شخص کو مزہ دیتا
ہے۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا ظلم ہوگا کہ دہلی والوں نے نفس زبان کے لحاظ
کچھ کیا ہی نہیں۔ اگرچہ زبان اردو کو آخر زمانہ میں لکھنؤ سے خاص تعلق ہوگیا تھا
لیکن دہلی میں بھی اسکا چرچا باقی تھا۔ مومن غالب اور ذوق ایسے شعرا ہیں جنہوں نے
ترقی زبان اردو میں بہت کوششیں کیں۔ انکا کلام آج لکھنؤ اور دہلی دونو شہروں کے
استادان زبان کے نزدیک قبولیت کی سند پا چکا ہے۔ ان لوگوں کا کلام دیکھنے سے بخوبی
سمجھ سکتے ہیں کہ مومن خاں تو دہلی کے قدیم رنگ پر جا رہے تھے انکی طبع آزمائیوں نے زبان
کو اسی حالت پر رکھا مگر درد اور سوز وگداز کے پیدا کرنیکی حیثیت سے سچ پوچھئے تو اپنے
وقت کے گرو استاد تھے جو بیتابیاں و عشق کی پرجوش امنگیں انکے کلام میں نظر آتی ہیں
اور کسی کے کلام میں ممکن نہیں غالب کی طبیعت میں ایجاد اور جدت پسندی کا مادہ بہت
تھا علاوہ بریں فارسی کے قدیم مذاق کی طرف وہ بڑے ذوق شوق سے متوجہ تھے
دری بلکہ ژند کی زبان کیطرف وہ موجودہ فارسی کو کھینچے لئے جاتے تھے۔ اور چونکہ اُس
زبان میں نیچر اور قدرت کی محسوس منظروں کی طرف زیادہ تر توجہ کی گئی ہے اسلئے انکی
طبیعت میں دو باتیں کمال کی پیدا ہوگئیں۔ طبیعت کی اصلی جدت پسندی نے مضمون
آفرینی پیدا کی۔ اور قدیم زبان ژند کے ذوق نے نیچرل خیالات پیدا کردیئے۔ اگرچہ فارسی
کیطرف زیادہ متوجہ ہونے سے انکی اردو شاعری میں تھوڑا سا نقص پیدا ہوگیا یعنے
فارسی بندشیں اعتدال سے بڑھ گئے لیکن جو مذاق اور جو خیالات اُنہوں نے اردو میں
پیدا کئے اُسمیں اپنا جھنڈا گاڑ دیا۔ اور لکھنؤ والوں کے عام رنگ سے علیحدہ ہوکر
جس خوبصورتی سے مضمون آفرینی کیساتھ نیچرل مذاق کو نباہا ہے۔ وہ انہیں کا حصہ
تھا اور اس پر دہلی والے جسقدر ناز کریں زیبا ہے۔ باقی رہے ذوق ایک شخص ہیں جو
لکھنؤ والوں کی طرح ترقی کی عام رفتار میں پڑکے دھوکا کھا گئے۔ چونکہ شعرائے

لکھنؤ نے اختیار کیا تھا وہی رنگ ذوق نے دہلی کے آخر عہد میں اختیار کیا۔ انہیں اور
شعرائے لکھنؤ میں کوئی فرق نہ تھا اگر تھا تو اسقدر جسقدر ہر شاعر میں اپنے خاص طبعی
جذبات کے لحاظ سے اور دوسرے شاعر میں ہوتا ہے۔ خود لکھنؤ کے شعرا میں باہم ایسا ہی فرق
نکل آئیگا جیسا کہ مذاق کے بدلنے کا جو ہم نے دعوے کیا ہے اُس کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہوگا
کہ ذوق نے جو ناسخ کے رنگ کو چھوڑ کر مضمون آفرینی اور بلند پروازی کی طرف جھکے تو
دہلی والوں نے بھی انکی قدر کل شعرائے دہلی سے کی آج دہلی کی زیادہ آبادی ذوق
کو اُستاد مان رہی ہے اور بیچارہ غالب اور مومن کا نام لینے والے کم ہیں بس یہی تین شعرا
ہیں جنہیں دہلی کا سرمایۂ ناز رکھنا چاہیے اور گذشتہ شعرا اگرچہ اُردو پر انکا احسان سب سے
زیادہ ہے مگر انکو لکھنؤ اور دہلی دونوں مقاموں سے برابر کا تعلق تھا اور اگر وہ دہلی کیلئے
ذریعۂ فخر ہیں تو ہوں لکھنؤ کو ان دونوں اہل زبان ہونیکا دعوی نہ تھا دہلی کی طرح
لکھنؤ بھی انکے عہد میں انہیں پر ناز کر رہا تھا۔ اُردو شاعری اور اُردو زبان کی یہ
سچی تاریخ تھی اور اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ دہلی کو اُردو سے وطن ہونیکا اور لکھنؤ
کو مقام نشو ونما تربیت اور ذریعۂ ترقی ہونیکا تعلق ہے دہلی والوں کو لکھنؤ کا احسان ماننا
چاہیے تھا۔ کہ جو ہونہار بچہ اُنکے شہر میں پیدا ہوا تھا اسکی وہ ذرا تربیت نہ کر سکتے تھے
لکھنؤ کے رئیسوں اور بادشاہوں نے اُسے اپنی گود میں اٹھا لیا اور پوری ترقی دلا دی
میرے نزدیک اب یہ امر بوضاحت ثابت ہو گیا کہ باعتبار زبان لکھنؤ کو دہلی پر اور باعتبار
مذاق وخیال دہلی کو لکھنؤ پر ترجیح ہے۔ زمانہ اب دور دور کے مقامات کو ملا رہا ہے لکھنؤ
والوں کی باتیں روز دہلی والے اور دہلی والوں کی پُر درد شعر خوانیاں لکھنؤ والے سُن لیا کرتے
ہیں ایسے وقت میں مناسب ہے کہ دہلی اور لکھنؤ والوں کی باہمی بحثیں اٹھا رکھی جاویں اور
دونوں مقاموں کے لوگ یوں اپنی مادری زبان کی اعانت پر کمر باندھیں کہ جس کو جس
امر میں ترجیح ہو اُس سے دوسرا سبق لے اگر لکھنؤ والوں کی زبان اچھی ہے تو دہلی
والے اُن سے سیکھیں اور اگر دہلی والوں کا رنگ دلچسپ اور موثر ہے تو لکھنؤ والے
اُنکی شاگردی اپنا فخر سمجھکر اختیار کریں اور اپنے مذاق سخن کی اصلاح کریں ٭

شعر و شاعر

شاعر کارخانۂ قدرت اور حسنِ فطرت کی خاص باتوں میں تقابل و تشابہ دیکھتا ہے۔ اگر ایک رنگ کو ہم ہمیشہ دیکھا کریں تو خبر نہیں ہوتی۔ کہ وہ کوئی رنگ ہے۔ اگر ایک ہی آوازہ کان میں آیا کرے تو پرواہ نہیں کرتے کہ وہ کوئی آواز ہے۔ مگر جب دل ایک محسوس شے سے دوسری محسوس شے کی طرف جاتا ہے۔ تو خیال پیدا ہوتا ہے۔ خیال کے لئے تقابل و تشابہ ضرور ہے۔ خیالات کی تیزی قوت تقابل کی تیزی پر منحصر ہے۔ تمیز و مشاہدہ کے یہ معنی ہیں۔ کہ دو چیزوں میں تقابل و تشابہ سے فرق دریافت کریں جب ہم کہتے ہیں کہ یہ میز لمبی ہے تو ہم اس کا مقابلہ کسی چھوٹی میز سے کرتے ہیں۔ جو ہمارے تصور میں ہے۔ یہ تقابل کی قابلیت و قدرت ہے۔ یہی عاقل و احمق میں تمیز کراتی ہے۔ جیسے تاریکی میں سب رنگ یکساں نظر آتے ہیں۔ ایسی ہی احمق کی آنکھ کو سب چیزیں یکساں معلوم ہوتی ہیں عاقل ایک چیز کو دوسری چیز کے پہلو میں رکھکر فرق دیکھتا ہے۔ اور اُنکا ٹھیک تخمینہ کرکے قیمت لگاتا ہے۔ پس شاعر جو فطرت کی خوبیوں کو پوری طرح سمجھتا ہے۔ وہ اپنے تقابل و تشابہ کی قابلیت کو اشیا کے مقابلہ میں کام میں لاتا ہے۔ وہی قوت اس کی عقل کے لئے دُوربین ہوتی ہے۔ جو

فطرت کی ہر صفت اس کے ذہن کو سمجھاتی ہے - درخت کی خوبصورتی کو
پہاڑ کی بے ڈھنگی شکل سے - سبزہ زار کو بنجر زمین سے سمندر کی آبنائیوں کو
ساحل کی زمین سے مقابلہ کرو تو اُن میں وہ خوبیاں نظر آنے لگینگی جو پہلے
آتی تھیں - اس تقابل و تشابہ سے ہی قدرت الٰہی کی خوبیاں معلوم ہوتی
ہیں - کہ اگر خدا زمین کو مسطح - نباتات کو بے رنگ - آسمان کو کالے بخارات
کا بنانا تو کیا ہوتا - اور اب جو اُس نے زمین کو پہاڑ پہاڑیوں سے ناہموار
نباتات میں طرح طرح کی شوخی رنگ - آسمان کو سپید و زریں بخارات سے
بنایا تو اس میں کیا خوبیاں ہوئیں - جس شاعر میں اس تقابل کی قدرت
زیادہ ہوگی وہ ہر چیز کی ضد کو مقابل رکھکے اس کے حُسن کو بڑھا دے گا
گُل کی بغل میں خار کو نہاں کریگا - دھوپ کے ہمسایہ میں سایہ کو لائے گا
گانوں کی لطیف ہوا کو شہر کی غلیظ ہوا سے مقابلہ کریگا - قابل اور کامل
شاعر یہی کیا کرتے ہیں - حُسن فطرت کا دیکھنا آسان کام نہیں - یہ شاعروں
پر ہی ختم ہے - اشیاء میں ہزاروں قدرتی خوبیاں شاعروں کو ہی سوجھتی
ہیں - باغ ہو یا راغ - ان میں جو کیفیتیں ان کو نظر آتی ہیں - وہ اَوروں کی
نظر سے پوشیدہ رہتی ہیں - فطرت کے پیارے لاڈلے بچے شاعر ہی ہوتے
ہیں - جب ان کو اپنے چین و آرام جُرأت ہمت خیالات جدید کی ضرورت
پڑتی ہے - تو وہ اُس سے گلے چمٹ کر مانگتے ہیں - اُس ماں کو بہت سخت کام
کرنے پڑتے ہیں - اس کو اپنی اولاد پر مسکرا کر ہمیشہ نگاہ کرنے کی فرصت
نہیں مگر جو اولاد کہ دل و جان سے محبت کرتی ہے - اور بچوں کی طرح اپنے تئیں

اُس کی گو وہیں ڈالے رکھتی ہے۔ اُن کو وہ ایسی عجیب غریب کہانیاں سُنا دیتی ہے۔ جن سے اُن کا دل شاد رہتا ہے ؂

اکثر ملکوں میں سب علموں سے زیادہ فنِ شعر کو پسند کرتے ہیں شاعر کی ایسی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ گویا اس کو خدا کا فرشتہ جانتے ہیں۔ یہ ایک عجیب بات ہے۔ کہ ساری دُنیا شعراءِ قدیم کو متاخرین سے زیادہ کامل سمجھتی ہے۔ اور اُن کی ثناخوانی میں گرم نفس ہے۔ شاید اس کا سبب یہ ہے کہ ہر قوم میں شاعری کو اوّل اوّل ایک نئی بات جان کر لوگ متعجب ہوتے تھے۔ اور یہ تعجب اس سے اور زیادہ ہوتا تھا۔ کہ شاعری کا حال اور علموں کا سا نہیں ہے کہ وہ بتدریج ہزاروں محنت و مشقت سے حاصل ہو۔ اس کی تحصیل خود بخود ہو جاتی ہے۔ اس لئے شعرا کا شہرا بہت ہو گیا۔ اور اُنکی اعزاز کا سِکہّ ایسا جم گیا۔ کہ دوام کے لئے ان مٹ ہو گیا۔ سواء اس کے شاعری میں انسان کی طبیعت اور جذبات خوشیوں خواہشوں اور فطرت کا بیان ہوتا ہے۔ جو ہمیشہ سے یکساں چلے آتے ہیں۔ پس ان مضامین کو پہلے شاعروں نے نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے ادا کیا ہے۔ اور فصاحت و بلاغت کی داد دی ہے۔ پچھلے شاعروں کے واسطے کوئی مضمون نہیں چھوڑا۔ اب اس کے سواء چارہ نہیں۔ کہ انہیں مضامین کو اپنی عبارت میں ادا کریں معانی اُن سے مانگیں۔ الفاظ اپنے لیں۔ بیج اُن کے بوئیں شاخ و پتے اپنے لگا کے شجرِ سخن پیدا کریں۔ مضامین پسندیدہ کا حق متقدمین ادا کر چکے۔ متاخرین ان کی جزئیات میں خوبیاں بڑھائیں نئے ایجاد و اختراع

نہ حداثت و ابداع۔ فقط زبان کی فصاحت و بلاغت رہ گئی ہے۔ اُن کا حال اُس باورچی کا سا ہے کہ باسی کھانوں کو گرم کرکے اور نمک مرچ لگا کر مزہ دار بنا تا ہے۔ اور مہمانوں کے سامنے رکھدیتا ہے۔ جو اس کو مزہ سے کھالیتے ہیں*

یہ عقیدہ جو ایمان کی طرح لوگوں کو ہوگیا ہے کہ شعرائے متقدمین بہتر تھے اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ جس قدر تہذیب و شائستگی اور سائنس کی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اتنا ہی شاعری کا تنزّل ہوتا جاتا ہے۔ شاعری میں خیالی باتیں ہوتی ہیں اور سائنس میں اصلی پس جب اصلی باتوں کا علم بڑھیگا۔ تو خیالی باتیں گھٹینگی۔ جہالت میں خیالی باتوں کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ بچپن میں قوت متخیلہ زبردست ہوتی ہے ایک بچہ کو کوئی ڈراوے کہ اس کوٹھڑی میں بھیڑیا بیٹھا ہے۔ تو اندر جائیگا۔ تو تجھے کھا جائیگا۔ تو فوراً اس کے خیال میں یہ جم جائیگی۔ کہ میں اس کوٹھڑی میں گیا اور بھیڑئیے نے پھاڑا۔ قوموں کی وحشیانہ حالت بھی بچوں کی سی ہوتی ہے۔ اسی لئے نیم وحشی قوموں میں شاعری نے جو اعجاز و سحر کے کام کئے ہیں۔ ان کو تہذیب کے زمانہ میں سنکر حیرت ہوتی ہے۔ جو اعلے درجہ کے خیالی مضامین کی کتابیں جہالت کے تاریک زمانہ کی تصنیف ہیں اُن کی برابر آج کوئی شاعر لکھے تو اُس کی ذہانت و ذکاوت معجزہ سے کم نہ معلوم ہو۔ غرض زمانہ جاہلیت میں خیالی مضامین کا لکھنا ایسا دشوار نہ تھا جیسا تہذیب و شائستگی کے زمانہ میں اگر کوئی مہذب و شائستہ آدمی بڑا شاعر بننا چاہے۔ تو اوّل وہ بچہ بنے۔ اور اپنی معلومات کو جو حافظہ کے خزانہ میں محفوظ ہیں اور جن سے اُس کو بزرگی و عظمت حاصل

ہوئی ہے۔ اُن سب کو بُھلاوے۔ اور اپنے دماغ کے جال کے پھندوں کو کھول ڈالے
اُس کی ذہانت اور لیاقت ہی بڑی ماہر شاعر ہونے کی ہوگی۔ چونکہ زمانہ
سے شاعری کا رواج اُٹھتا جاتا ہے اس لئے اُس کو بڑی دقتیں اور ذلتیں
زمانہ کے خلاف اپنے کام کی ہر پہیں اُٹھانی پڑینگی۔ خواہ وہ کیسا ہی فہین اور
عالی دماغ ہو ❖

فنِ شعر اکتساب سے نہیں آتا۔ وہ ایک عطیۂ غیبی ہے۔ جو انسان پر دفعۃً
نازل ہوتا ہے۔ مشہور ہے شاعر ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ بنائے
سے نہیں بنتا۔ شاعر کے نزدیک کوئی شے بیکار اور بیفائدہ نہیں ہوتی۔
جنگلوں کی کیفیت۔ رنگ برنگ کے پھول۔ طرح طرح کے درخت۔ پہاڑوں
کے کڑاڑے۔ نہروں کی لہریں۔ جھرنوں کی آب رواں۔ موسم بہار کے بادل
بادلوں کی کڑک۔ اور بجلی کی چمک۔ قوس قزح کے رنگ۔ زمین کا فرش
آسمان کا چتر۔ ساری چیزیں اُس کے ذہن میں حاضر رہتی ہیں۔ ہر چیز
خوبصورت ہو یا ہیبت ناک۔ نازک ہو یا سخت۔ موت ہو یا حیات بُرائی
ہو یا بھلائی۔ ذلیل ہو یا معزز۔ سب حالتیں اس کے دل پر نقش ہوتی ہیں۔ اسکے
میدان خیالات میں باغوں کے درخت لگے ہوئے جنگلوں کے چرندے
چرتے۔ اور پرندے اُڑتے۔ اور درندے چیر پھاڑ کرتے ہوئے۔ معدنیات کے
جواہر چمکتے دمکتے ہوئے شمس و قمر۔ سیارے اور ستارے طلوع و غروب ہوتے
ہوئے۔ تمام جو آسمانی جلوے۔ بزم کے جلسے۔ رزم کے ہنگامے۔ یہ سب
کیفیتیں موجود ہوتی ہیں۔ وہ ان کے جلوے طرح طرح سے دیکھتا ہے اور انسان

کے ظاہری باطنی قواء اور اخلاق ہیں سے ہر ایک کو بیان کرنے ہیں انہیں
کام ہیں لاتا ہے۔ انہیں معلومات پر شاعر کی قوت بیانیہ کی خوبی موقوف ہے
وہ ہر شے کی تصویر بلتی ہوئی بنا کے آنکھوں کے سامنے کھڑی کر دیتا ہے
جسے دیکھکر دل پر اثر ہوتا ہے۔ مصور پنسل سے تصویر کھینچتا ہے۔ شاعر قلم سے
وہ رنگ سے کام کرتا ہے۔ بہ الفاظ سے مصور کی تصویر خاموش ہوتی ہے
شاعر کی تصویر بولتی چالتی۔ شاعر کا قلم مصور کی پنسل سے زبردست ہوتا ہے
وہ آدمی کے دل سے باتیں کرتا ہے اور یہ حواس سے۔ گو شاعر کی نظر سے اکثر
جزئیات پوشیدہ رہتی ہیں۔ مگر وہ کلیات و خواص عامۂ اشیا کو جانتا ہے
وہ ایسی جزئیات کو چھوڑ دیتا ہے جس کو کسی نے دیکھا ہو اور کسی نے نہ دیکھا
ہو وہ یہ بیان نہیں کرسکتا۔ کتنے پھول ہیں؟ کتنی قسم کی گھانسیں؟ مگر وہ
اُن کے کلیات کی تصویر اپنے اشعار ہیں ایسی اُتارتا ہے۔ کہ ہر شخص کے خیال
ہیں اصل حقیقت آجاتی ہے۔ خواہ وہ عاقل ہو یا فاتر العقل تمام عقل کی فہم
و فراست عقل و دانش کا نصف حصہ شعرا کے کلام ہیں موجود ہے۔ ہر رنج
وخوشی کا بیان اوضاع و اطوار کا حال رسم و رواج کا ذکر انسان کی ساری
انبساط و انقباض خاطر کی باتیں اس کی تشویشیں اس کی مسرتیں شاعر ہر چیز
کا سُراغ لگاتا ہے۔ جو طبائع انسانی ہیں اختلاف کے سبب مختلف کیفیتیں
پیدا کرتی ہیں۔ جیسے طفلی کی شوخیاں بیباکیاں پیرانہ سالی کی اُداسیاں اور
مایوسیاں۔ جوانی کی مستیاں اور چالاکیاں۔ عادات کی تُندی اور
کُندی۔ موالید ثلاثہ کی قوتیں۔ سچ یہ ہے کہ شاعری نہ ہوتی تو زمانہ سابق کا

حال بالکل تاریکی میں ایسا ڈوبا رہتا۔ کہ کوئی جھلک روشنی کی ان کو نہ دکھاتی زمانہ کی نصف تاریخ اور مذہب کا بڑا حصہ نظم میں موجود ہے۔ مہابھارت اور راماین کو پڑھو۔ اس سے جو حال ہندوستان کا معلوم ہوتا ہے۔ وہ اور کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ شاعری بڑے قدیم زمانہ سے چلی آئی ہے۔ اس سے بہت سے علموں کا آغاز ہؤا۔ شائستہ قوموں نے کبھی اس کی حقارت نہیں کی۔ اور ناشائستہ بغیر اس کے نہیں رہیں۔ ہر قوم کے دماغوں کی قوت ان کے دلوں کے زور طبیعتوں کے میلان اور ولولے ان کے رسم و رواج اخلاق خیالات کا اندازہ صرف اس کے نظم سے کیا جاتا ہے *

شاعر میں جوش روحانیت کا ذخیرہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ اشعار کے شعلے اُبلتے رہتے ہیں۔ جو اُس کی حرارت غریزی کو سرد نہیں ہونے دیتے۔ اس لئے محققین نے تحقیق کر لیا ہے۔ کہ اکثر شاعروں کی عمریں دراز ہوتی ہیں *

شاعر کا قلم عصائے موسوی ہوتا ہے۔ وہ دل کے اندر سے نیکی و حُسن کے چشمے بہاتا ہے۔ اور اس کے اندر غوطہ لگا کے تہ پر جو چیزیں چھپی ہوئی ہیں ان کو اُوپر لاتا ہے۔ کبھی وہ زمین کے اندر دھس جاتا ہے۔ اور پانی کی تہ کی خبر لاتا ہے۔ دلوں کے تغیرات کو ایسا بتاتا ہے۔ جیسے سمتوں کو مقناطیس کی سوئی ساری دُنیا کی شاعری کی جان عشق و محبت ہے۔ شاعر کو اوپر آسمان پر نیچے زمین پر پانی کے اندر ہوا کے اوپر غرض اپنی گرد کی ساری چیزوں میں محبت الٰہی کے جلوے نظر آتے ہیں۔ وہ ان مضامین عاشقانہ میں ایسا ڈوبا رہتا ہے کہ تو دہ عشق بنجاتا ہے اُس کا کلام بُرائیوں اور بھلائیوں کا آئینہ ہوتا ہے اور

زبان کی ساری خوبیوں کا خزانہ ✤

شعر الفاظ میں موسیقی ہے اور موسیقی آواز میں شعر ہے۔ یہ دونو بہت اچھی چٹنیاں ہیں۔ مگر جو ان کو روٹی کی طرح غذا بناتے ہیں وہ بیچارے بھوکے مرتے ہیں ✤

جو انگور سے شیرہ ٹپکتا ہے وہ اس شیرہ سے جو افشردگی سے نکالا جاتا ہے زیادہ مزہ دار ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شعر شاعر کے مُنہ سے بیساختہ نکلتا ہے وہ اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے۔ جو آورد اور تکلف سے کہا جاتا ہے ✤

اکثر شاعر مفلس ہوتے ہیں جب قرضدار ہو جاتے ہیں تو دماغ کی ٹکسال کے سکے رائج الوقت سکوں کا کام نہیں دے سکتے۔ قرضخواہ اُن کے اشعار کوڑی کے تین تین بھی لیکر حساب میں مجرا نہیں دیتے۔ نہ ان کی رباعی سُود کے چار روپے ادا کر سکے۔ نہ اُن کے مخمس و مسدس پانچ چھ روپے اصل میں اُتار سکے نہ اُن کا کلام موزون تمسک کو منسوخ کر سکے۔ جب پکڑے جاتے ہیں تو اُن کا گنجینۂ اشعار ضمانت دیکر چھڑوا نہیں سکتا۔ جیلخانے میں ہوں تو اندھیری کوٹھری میں اُنکے مطلع الانوار کام میں آئے نہ مخزن الاسرار۔ گو وہ مفلس ہوتے ہیں اور اسباب دنیا سے محروم مگر جس چیز کو سب بیش قیمت سمجھتے ہیں وہ روز پیدائش سے اُن کے ساتھ ہوتی ہے۔ اُن کی خواہشیں بہت کم ہوتی ہیں۔ چھوٹا سا گھر۔ بڑا سا باغ تھوڑی دولت بہت سی کتابیں۔ دیوانے۔ عاشق۔ شاعر۔ یہ تینوں خیالات کے بندے ہوتے ہیں۔ دیوانے کو خیالات وہ بڑے بڑے دیو اور جن دکھاتے ہیں۔ جو جہنم کی وسعت میں بھی نہ سما سکیں۔ عاشق کو سرتاپا معشوق کے سراپا

کے حُسن میں غرق رکھتے ہیں۔ شاعر کی آنکھوں کو دیوانہ وار کبھی آسمان کی طرف لیجاتے ہیں کبھی زمین پر لاتے ہیں کبھی اس سے نامعلوم چیزوں کی صورت بنواتی ہے۔ اور اُس کے قلم سے اُن کی تصویر کھچواتے ہیں کبھی معدوم اشیاء کا نام اور مقام ٹھیراتے ہیں۔ جب تک آدمی کے دماغ میں خاص جنون کا کچھ مادہ نہ ہو تو وہ نہ شاعر بن سکتا ہے نہ شعر کا کچھ مذاق رکھ سکتا ہے۔ گو یہ جنون لطف سے خالی نہیں ہوتا مگر ہے جنون ؀

شاعر کو تنہائی پسند ہوتی ہے۔ جب وہ اکیلا بیٹھتا ہے تو یہ عالم اس کو نظر نہیں آتا۔ وہ اپنے خیالات کا عالم روبرو لاتا ہے۔ اور اُس کی سیر کرتا ہے یہ سیر کرنی اُس کو ایسی آسان ہے جیسے آفتاب کو چمکنا۔ وہ خلاق معانی ہوتا ہے اپنی قوت سے جوامرت سے کم نہیں ہوتی۔ خیالی بیجان چیزوں میں جان ڈالتا ہے۔ اپنی جان کی زبان سے جانوں کے ساتھ ہمکلام ہوتا ہے۔ وہ کنج تنہائی میں اپنے اشعار سے ایسا خوش ہوتا ہے جیسے خوش آواز پرند پنجرے میں اپنے نغموں سے ؀

اشعار نے بداخلاقی اور برائی بھی پیدا کی ہے۔ مگر جتنی بُرائیاں ہیں اس سے کہیں زیادہ بھلائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ شاعری کا کام ہے کہ وہ بچوں کے دلوں میں خدا پرستی رحمدلی پاکیزگی کا بیج بوتی ہے۔ وہ ان کے ہاتھ میں ایک آئینہ دیتی ہے۔ اس کے اندر حق کو دیکھتے ہیں۔ عارفانہ شعر آن کی آن میں وہ شوق ذوق نیکی کا دل میں پیدا کر دیتا ہے کہ نہ صوفیوں کی صحبت سے نہ بزرگوں کے ملفوظات سے دس برس میں پیدا ہو سکے۔ توحید کے مضامین

جو علم الٰہی کے بڑے بڑے کامل معلّم برسوں میں سمجھاتے ہیں وہ ایک شعر سے دم میں ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ بعضے شاعر فقط اور آدمیوں کا دل بہلانے کیواسطے شعر کہتے ہیں۔ اُن کا حال بیتریوں کا سا ہوتا ہے۔ کہ وہ ایک موسم میں تھوڑے دنوں کے لئے درختوں پر بیٹھکر اُن کی بہار بڑھا دیتی ہیں۔ مگر وہ ایسی نازک ہوتی ہیں کہ نرم ہاتھوں کے لگانے سے بھی اُن کے پر گر جاتے ہیں۔ دُنیا کے حُسن پر جو نقاب پڑا ہے شاعر اُس کو اُٹھاتا ہے اور حسن کو بے پردہ کرکے دکھاتا ہے۔ نیک اخلاقی کا بڑا آلہ آدمی کا خیال ہے۔ ان خیالات کا انتظام نظم کرتی ہے اخلاق کا رازِ اعظم محبّت ہے۔ شاعر اُسی کو افشا کرتا ہے۔ جن چیزوں کو اپنے نزدیک ہم جانتے ہیں اُن کو وہ بتاتے ہیں۔ کہ تم نہیں جانتے۔ اس سبب سے شاعروں کی عزّت کچھ ولیوں سے کم نہیں ہوگی۔ وہ بھی عرش کے نیچے گاتے ہیں اور وہیں پہنچ جاتے ہیں*

شاعری کے لئے کچھ علم و فضل کی ضرورت نہیں ہے۔ اہل عرب زمانہٴ جاہلیت میں جب اُن کو لکھنا پڑھنا کچھ نہ آتا تھا۔ بڑے فصیح بلیغ شعر کہتے تھے۔ کارزار میں جو اُن کا ایک رجز کا شعر کام کر جاتا تھا۔ وہ آج سو تولیں شراب کی مہذّب قوموں کی لڑائی میں نہیں کرتیں۔ یہ اشعار علوم صرف و نحو بیان و معانی و بدیع کی معیار پر پورے اترتے ہیں۔ اہل عرب نے بغیر محنت اکتساب علم و فضل زمانہٴ جاہلیت میں اس استعداد خداداد کو ایسا دکھایا کہ زمانہ قائل ہے۔ اُن کی جاہلیت کے اشعار فضیلت کے زمانہ کے اشعار پر شرف رکھتے ہیں۔ ان کے رجز میدان جنگ میں وہ کام کرتے تھے۔ جو آج کسی فصیح کی تقریر کام نہیں کرتی*

شعر دل کی حالتوں اور کیفیتوں کی قدرتی زبان ہے۔ وہی خیالات کی صورتوں کا مصوّر ہے۔ عالم باطنی میں ہزاروں تحریکیں پڑی پھرتی ہیں۔ جو خارج میں فرشتوں کی طرح مجسّم نہ ہونگی۔ ہزاروں خوبصورت پھول ان میں کھلتے ہیں۔ جن کے بیج نہیں ہیں۔ پس وہی مبارک اشعار ہیں جو ان پھولوں کی خوشبو میں بستے ہیں۔ اور اُن روحانی تحریکوں سے اپنے تئیں آباد کرتے ہیں *

شاعر پر لازم ہے کہ زمانہ اور اپنے ملک کے تعصّبات سے۔ چھوٹے رسم و رواج سے اپنے تئیں دور رکھے اور وہ اصل مطلب پیش نظر رکھے جس میں تغیّر و تبدّل نہیں ہوتا وہ انسان کے خیالات کا ترجمان۔ مخلوق کا مترجم۔ انسان کا ناصح واعظ و مرشد و ہادی بنے۔ اور جانے کہ میں آئندہ نسلوں کے خیالات کا درست کرنے والا ہوں۔ شاعری کی قلمرو نہایت وسیع ہے۔ اس کی پیمائش تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ اس کو زمان و مکان میں مقیّد نہ کرے۔ خوب سمجھ لے کہ شاعری کا خاتمہ کبھی نہ ہوگا۔ علوم و فنون میں بہت سی باتیں جدید نکلی ہیں۔ اُن سے اپنے مضامین میں جدّت پیدا کرے۔ متواتر مشق و مُزاولت سے اپنے کلام برجستہ مضمون میں نزاکت۔ فصاحت۔ بلاغت۔ متانت۔ حسانت۔ حلاوت شہد سے زیادہ۔ ملاحت نمک سے بڑھ کر پیدا کر سکتا ہے۔ خدا نے شاعر کو جو زبان دی ہے وہ ناثر کو نہیں دی۔ شاعری لڑکوں کھیل نہیں جیسا آج کل ہمارے زمانہ میں ہو رہا ہے۔ یہ شاعر ہی کا کام ہے کہ ایک مصرعہ سے یکایک پتھر سے دل کو سرکا دے۔ ایک شعر سے خدا کی قدرت کاملہ کو آنکھوں سے دکھا دے۔ اب زمانہ کا مقتضا یہ ہے کہ شاعری کو بالکل نیچر کے مطابق بنائیں۔ اپنے اشعار

بیرونی خوبیاں پیدا کریں جس سے وہ سچ مچ شاعر ہو جائیں۔ جھوٹی تشبیہات جھوٹے استعارات اور مبالغہ کو اختیار کر کے زخمی سانپ کی طرح اپنے تئیں زمین پر سہج سہج نہ گھسیٹیں۔ موجودات عالم و انسانیت کی تفتیش کے درپے ہوں۔ اب ہماری تہذیب و شائستگی بدلتی جاتی ہے۔ نئی طرز کے مضامین سے طبیعت میں تروتازگی پیدا ہوتی ہے۔ پرانی باتوں کو سنتے سنتے کان بہرے ہو گئے اب ہم کو چاہئے کہ شاعری کو بھی بدلیں۔ اپنے قدیمی خیالات کو جو اچھے ہیں نئی طرز میں نظم کریں اور جدید خیالات جو پیدا ہوئے ہیں ان کو اپنی نظم میں بیان کریں۔ اگر اپنی زبان کے باغ میں پرانے درختوں کے ٹھنڈ اکھیڑ کر نئے درختوں کے پود لگا کر سرسبز و شاداب نہ کئے جائینگے۔ تو وہ تھوڑے دنوں میں ایک ڈراونا جنگل ہو جائیگا۔ اور پھر اس کی طرف کوئی آنکھ بھر کر نہ دیکھیگا نظم پر اس آفت کے آنے سے کلام کا انتظام بگڑ جائیگا۔ جب تک شاعر لکیر کے فقیر رہینگے نظم زبان ترقی نہیں پائیگی ٭

شمس العلما ماسٹر ذکاء اللہ صاحب



نظم

تحقیق کیجیے تو نظم کا سحرِ حلال انسان کا ہمزاد ہے۔ جب آدم پیدا ہوئے تو یہ آدم کے ساتھ تھا۔ چنانچہ ایک معتبر کتاب میں دیکھا ہے۔ کہ حضرت آدم نے اپنی سُریانی زبان میں ہابیل کے مرثیہ میں شعر کہے۔ جنکا ترجمہ تاریخ کی عربی کتابوں میں موجود ہے۔ اور عربی زبان میں یعرب بن قحطان نے اول شعر کہا۔ اور فارسی میں بہرام گور نے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ ابوحفص حکیم سغدی نے اس زبان میں پہلے پہل شعر کہا۔ اسی طرح اُردو انگریزی میں بھی لوگوں نے شعر کہے۔ مگر اُردو میں وَلی اور انگریزی میں چاسر مخلوق روحانی کے آدم مانے گئے ہیں۔

نظم کے معنے آراستہ ہیں یہ اول اول بلا قید ردیف قافیہ صرف ایک موزون کلام تھا وقتاً فوقتاً زمانہ کے ساتھ رنگ بدلتی رہی یہاں تک کہ غزل۔ قصیدہ۔ قطعہ۔ رباعی۔ فرد۔ مثنوی۔ مُسمط۔ مستزاد۔ نظم کی آٹھ قسمیں ٹھہریں۔

(۱) لغت میں غزل کے معنے عورتوں سے باتیں کرنا۔ مگر اصطلاح شعرا میں اُس نظم کو کہتے ہیں جسمیں شاعر اپنے رنج و ملال معشوق کے حسن و جمال شکایت فراق حکایت وصال کے مضامین باندھے۔ شراب کباب کی تعریف کرے۔ بتوں کا کلمہ پڑھے۔ ناصح سے بگڑے

واعظ کو ستائے ۔ زاہد پر پھبتیاں اڑائے ۔

اس میں کم سے کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ پچیس ۲۵ شعر ہوتے ہیں ۔ پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے اس میں دونوں مصرعوں میں ردیف قافیہ ہوتا ہے ۔ دوسرا شعر حسن مطلع یا زیب مطلع کہلاتا ہے ۔ سب میں آخر کا شعر مقطع اسمیں شاعر کا تخلص ہوتا ہے ساری غزل میں عمدہ بیت کو شاہ بیت کہتے ہیں ۔

یہ جاننا ضرور ہے ۔ کہ جو لفظ ہر شعر کی آخر میں بار بار آئے وہ ردیف اور اس سے پہلا لفظ قافیہ کہلاتا ہے ۔ جیسا اس مثال سے ظاہر ہے پریشان ۔ خندان ۔ گریبان قافیہ اور ہوں ہیں ردیف

مولف

جب سے پابند غم گیسوئے جاناں ہوں میں ۔۔۔ زلف پر پیچ کی مانند پریشاں ہوں میں

راحت آتی ہے جراحت سے ہنسی سے رونا ۔۔۔ دہن زخم کا گویا لب خنداں ہوں میں

کسکی عارض کا ہوں وحشی اکہ برنگ گل تر ۔۔۔ پانوں میں کانٹے ہیں اور چاک گریباں ہوں میں

چارہ گر آنکھیں چراتے ہیں مرے درماں سے ۔۔۔ جب سے بیمار ترا دیدۂ جاناں ہوں میں

منع کرتا ہے محبت کو جو ناصح تو کرے ۔۔۔ مانوں نادان کا کہنا کوئی ناداں ہوں میں

خار گذروں نہ رقیبوں کی نظر میں کیونکر ۔۔۔ رشک گلزار ہو تم بلبل نالاں ہوں میں

کرکے سرتن سے جدا مجھکو سبکدوش کیا ۔۔۔ خنجر یار ترا بندۂ احساں ہوں میں

کشتۂ نیم نگہ ہوں مجھے بسمل مت چھوڑ ۔۔۔ اک وار اور بھی قاتل تری قرباں ہوں میں

آپ اور سجدۂ بت؟ حضرت تشنہ یہ کیا ؟
تم تو کہتے تھے بڑا صاحب ایماں ہوں میں

(۲) قصیدہ یہ مشتق ہے قصد سے ۔ جسکے معنے لغت میں کسی چیز کی طرف متوجہ ہونا ۔ چونکہ

شاعر کا مقصود یہی ہوتا ہے۔ اس لیئے اسکا نام قصیدہ ہوگیا۔ اصطلاح میں اُس نظم کو کہتے ہیں جسمیں کسی کی مدح یا ہجو کی جائے۔ اس میں قوت طبع زور قلم۔ شوکت الفاظ متانت زبان۔ علو مضامین۔ برجستگی استعارات۔ بیساختگی محاورات۔ ندرت تشبیہات۔ بداہت فصاحت و بلاغت ضروری ہیں۔ قصیدہ اپنے مضمون سے نام پاتا ہے۔ مثلاً بہار کا مضمون ہے تو بہاریہ اور فراق کا ذکر ہے تو فراقیہ۔ اپنی تعریف ہے تو فخریہ۔ اپنی سرگذشت یا اور کسی کا حال ہے تو حالیہ۔ کسی ہنگامہ و جنگ و کارزار کا بیان ہے تو رزمیہ۔ شہر کی پریشانی اور تباہی میں ہے تو شہر آشوب۔ دنیا کی بے وفائی و عسرت و فلاکت زمانہ کا مضمون ہے۔ تو جہان آشوب کہلاتا ہے۔ اسمیں بھی غزل کی طرح پہلے مطلع ہوتا ہے۔ بلکہ کئی کئی مطلع ہوتے ہیں تسلسل مضامین بھی لازمی ہے۔ بعض شعراء متاخرین میں سے قصیدہ میں ایک دو غزلیں بھی آتے ہیں۔ چنانچہ اس رنگ کا مرزا نوشہ کے سہرا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک تمہیدیہ دوسرا خطابیہ۔

(۱) تمہیدیہ وہ قصیدہ جسکے شروع میں چند شعر (جنکو تشبیب کہتے ہیں) شکایت فلاکت یا جفائے معشوق یا موسم بہار کے لاکر اصل مضمون کیطرف متوجہ ہوں۔ اسی کا نام حسن تخلص یا تخلیص یا گریز ہے۔ قصیدہ کی بڑی خوبی یہی ہے کہ گریز خوبصورتی کے ساتھ ہو۔

مثال قصیدہ تمہیدیہ — ذوق

حبذا ساقی فرخ رخ و خورشید جمال	مرحبا مطرب ہاروت فن و زہرہ خصال
بارک اللہ گہر افشان ہے تو ابر بہار	خیر مقدم کہ خراماں ہے تو اے باد شمال
لِلّٰہ الحمد لبالب ہے مئے عیش سے جام	شکر للہ زر گل سے ہے چمن مالا مال
جوشش روئیدگی سبزہ سے ہو جائیگا سبز	گل رنگین جبین حسن میں تا داغ خال

شہر تیشہ فرہاد سے پیدا ہوئے گل - | بل بلی جوش گل خود رو سر دامان جبال
جوش فوارہ ہے واں کثرت تار بارش | سر مجنوں کے تھے آلودہ جہاں گرد سے بال
کیا عجب رحمت باری سے کہ وقت بار ا | ابر مردہ سے بھی ہو قطرہ فشاں آب زلال
معجز باد سے مانند عصائے موسیٰ - | شجر خشک بھی ہو جائے تر و تازہ نہال
ذوق مستی سے ہے طاؤس چمن میں رقاص | شوق آہنگ سے ہے سرو پہ قمری قوال
شور بلبل بھی یہ رکھتا ہے نمک آج کہ گل | بنگیا کثرت شبنم سے نمکداں کی مثال
دیتی ہے طاقت پرواز یہ کیفیت مے | اس ہوا میں ہے بط مے کہ اڑے بے پر و بال
ہے یہ وہ دور کہ ہر صوفی صافی مشرب | رقص مستاں میں ہے وجد کناں شامل حال
بیدیوں کو ہو جو نے چارہ گر عیسیٰ دم | شمع مردہ کے رگ تار سے کھولیں قیفال
تیلیاں ناچتی ہیں چشم کے گھر میں بے ساز | جنبش دست مژہ دے ہے اس انداز سے تال
اللہ اللہ رے سرسبزی گلزار جہاں | آج یک رنگ ہے رنگ وردش خضر و بلال
ہوں قلم ہاتھ اگر کوئی لکھے خط غبار | صفحہ دہر پہ کیا دخل کہ ہو گرد ملال
روز جشن آج ہے اسکا کہ جسے کہتی ہے خلق | نایب ختم رسل ظل خدائے متعال -
وہ بہادر شہ غازی کہ اگر تیغ اس کی | اپنی دکھلائے چمک چرخ پہ کٹ جائے ہلال
وہ نکوخو وہ نکو رائے خجستہ منظر | وہ بلند اختر و فرخ روش و فرخ فال
وہ مسیحا دم و یوسف رخ و داؤد الحان | وہ سلیماں وش و موسیٰ کف و صالح اعمال
چمن خلق و نسیم کرم و ابر سخا - | چشمہ فضل و ہنر کان عطا بحر نوال
آسمان جاہ و عطارد قلم و مہر علم | مشتری دانش و مہ بینش و مریخ جلال
خسرو جم حشم و داور کسریٰ انصاف | شاہ دارا دل و سلطان سکندر اقبال

مدح حاضر میں پڑھوں اُس کے وہ مطلع جس سے
ہمسری کی نہ رکھے مطلعِ خورشید مجال

مطلع ثانی (الی آخرہ)

(۲) خطابیہ جس میں تشبیب نہ ہو اور شروع ہی سے ممدوح کا نام لیکر اپنا ما فی الضمیر بیان کرنے لگیں۔ اسکو مجرد یا مقتضب کہتے ہیں

مثال — مولف

خسروا دستِ کرم تیرا وہ گوہر افشاں
پانی پانی ہو جسے دیکھ کے ابرِ نیساں الی آخر

(۳) قطعہ کے کم سے کم دو شعر ہوتے ہیں اور زیادہ کے لیے کوئی حد نہیں۔ یہ بھی قصیدہ کی طرح سب ایک ہی وزن پر ہوتے ہیں۔ فرق ہے تو اتنا ہے کہ مطلع نہیں ہوتا۔ تمام شعروں کا مضمون بھی آپس میں علاقہ رکھتا ہے۔ ایسے شعر کبھی قصیدہ یا غزل میں آتے ہیں تو قطعہ بند کہلاتے ہیں۔

مثال — ذوق

خسروا سُن کے تیرا فرخِ جشنِ نوروز
آج ہے بلبلِ تصویر تلک زمزمہ سنج

خبرِ عیش تیری دے ہے چمن میں جا کر
زرِ گُل پیکِ صبا پائے نہ کیونکر پارنج

بادہ جوشِ جوانی کی ہے گویا اک موج
تنِ پیرانِ کہن سال پہ ہر چینِ شکنج

چند قطرہ سی ہیں شبنم کے وہ بلکہ کمتر
آگے ہمت کے تیرے گوہرِ شاہوار کے گنج

حُسنِ نیت ہے تو یوسفِ مصرِ بخشش
دستِ حاتم میں بجا ہے کہ جو دیں تیغِ برنج

شش جہت پر ہے جو غالب تیرا سرپنجہ امن
فتنہ کو اُٹھنے میں جوں نرد ہے کیا کیا شش و پنج

نہ بچے آب سے آتش نہ خس آتش سے جلے
ایک سے ایک موافق کہ مرنجان و مرنج

تیرے منصوبہ کے تابع ہیں سب احکامِ نجوم
صفحۂ تقویم کا گویا ہے بساطِ شطرنج

لایا ہے معنیِ رنگیں سے یہ لعلِ خوشرنگ
ذوق جو مدح و ثنا میں ہے تیرے گوہر سنج

(۴) رباعی کے چار مصرع ہوتے ہیں جس میں سے پہلے اور دوسرے اور چوتھے کا قافیہ موافق

ہوتا ہے مگر تیسرے مصرعہ میں قافیہ ہونا ضرور نہیں۔ اگر ہو تو اولیٰ ہے۔ اس کے سوا رباعی کے لیئے چوبیس وزن خاص مقرر ہیں۔ اُن وزنوں میں سے یا تو چاروں مصرعے ہموزن ہوتے ہیں یا ہر ایک الگ الگ وزن پر ہوتا ہے۔ مگر اردو میں غلط ہے۔ رباعی کو چومصرعی دوبیتی اور ترانہ بھی کہتے ہیں۔

مثال — مومن

مومن ہے امید وصال بیجا تمکو	کم فہمی شوق نے ڈبویا تمکو
پانی پھینکا تو گرم جوشی نہ سمجھ	ناداں یہ دبا ہے اُس نے چھینٹا تمکو

(۵) اسمیں دو مصرعے ہموزن بلا قید ردیف و قافیہ ہوتے ہیں۔ بعضوں کے نزدیک شعر فرد بیت ایکیات ہے۔ بعضے کہتے ہیں فرد وہی ہے جو اکیلا ایک شعر ہو کسی قصیدہ یا غزل وغیرہ کا ٹکڑا نہو۔

مثال — مولف

ہو گیا جامہ سے باہر میری اک بات پہ وہ	جو کبھی غیر کے کہنے سے نہ باہر آیا

(۶) مثنوی۔ اس کے کم سے کم دو شعر ہوتے ہیں زیادہ کے لیئے کوئی حد مقرر نہیں۔ اسکا ہر شعر علیحدہ علیحدہ مطلع ہوتا ہے۔ اور سب ہموزن ہوتے ہیں۔ بوستاں۔ شاہنامہ سکندر نامہ۔ لیلیٰ مجنوں۔ یوسف زلیخا۔ تحفۃ الاحرار۔ فارسی ہیں۔ اور بدر منیر۔ گلزار نسیم دریائے عشق۔ زہر عشق۔ فریاد داغ۔ اردو میں یہ سب کتابیں مثنویاں ہیں معلف

ساقیا دے شراب ناب مجھے	آتش تر سے کر کباب مجھے
آتشیں آب ہے غذا دل کی	بادہ ناب ہے غذا دل کی
دل کی خوراک آتش تر ہے	دل نہیں ہے میرا سمندر ہے
دل کی حسرت نکالنے والی	بال کھولے ہوئے گھٹا کالی
جھومتی جھامتی وہ آئی دیکھ	اب کوئی دم میں آگئے چھائی دیکھ

تیرہ و تار ہے جہان سارا
اک دھواں دھار ہے جہاں سارا

ابر ہے مے ہے ماہ طلعت ہے
میکشوں پر خدا کی رحمت ہے

جام و مینا پہ نور کا عالم
ہے تجلی طور کا عالم۔

جب نسیم بہار آتی ہے
تیر سی دل کے پار جاتی ہے

ہوش میں آ تجھے ہوا کیا ہے
گذری باتوں کا پوچھنا کیا ہے

شب ہجراں کا مجھ سے پوچھ نہ حال
زلف جاناں سے تھی زیادہ وبال

مو بمو آسماں کی تاریکی
کاکل مشکبار کی سی تھی۔

اسپہ بخت سیہ کا یہ اندھیر
سر پہ کھینچی تھی کہکشاں شمشیر

کیا کہوں مجھپہ کیسی آفت تھی
شب ہجراں نہ تھی قیامت تھی

کاٹ کھانے کو دوڑتا گھر تھا
روزن در دہان اژدر تھا۔

چار پائی پلنگ سے بد تر۔
تار بستر کا خار سے بڑھکر

تھا بدلتا گھڑی گھڑی پہلو
چین آتا نہ تھا کسی پہلو

آنکھ لگنی محال تھی گویا۔
نیند خواب و خیال تھی گویا

اشکباری سے اشکباری تھی
بیقراری سے بے قراری تھی

تن بدن تھا تمام آتش زار
وقنا ربنا عذاب النار

دل تپاں مرغ نیم جاں کی طرح
ٹکڑے ٹکڑے جگر کتاں کی طرح

داغ دنیا تھا ماہتاب مجھے
ہوئے مے کرتی تھی کباب مجھے

کبھی گھبرا کے شعر مومن کا
نالے کرتا تھا اور پڑھتا تھا

چل پرے ہٹ مجھے نہ دکھلا منہ
اے شب ہجر تیرا کالا منہ

کبھی کہتا کہ چرخ نا ہنجار — کیوں ہے تو میرے درپے آزار
میں نے ظالم تیرا لیا کیا ہے — میری تقصیر کیا؟ خطا کیا ہے؟
رحم کر اے فلک خدا کے لئے — کیا ہمیں ہیں تیرے جفا کے لئے
کبھی کہتا تھا موت دے یارب — باز آیا میں جینے سے یارب
اتنے میں لگ گئی جو آنکھ ذرا — طالع خفتہ میرا جاگ اُٹھا
اپنے دلبر کو خواب میں دیکھا — ماہِ انور کو خواب میں دیکھا
قد وہ بوٹا سا مثل سرو آزاد — پا بگل جسکو دیکھکر شمشاد
اس پہ رفتار اس قیامت کی — کہ قیامت سے چال چلتی تھی
جب وہ مشق خرام کرتا تھا — فتنہ اُٹھکر سلام کرتا تھا۔
اس غضب کے تھے چیں بہ پیشانی — مانی چیں نے جس سے چیں مانی
نہ تھی اس چشم فتنہ زا کی پناہ — اور نظر وہ کہ بس خدا کی پناہ
خواب میں اُس کی سرنگیں آنکھیں — ایسی دیکھیں کہ کھل گئیں آنکھیں

(۷) مسمط۔ اُس نظم کا نام ہے کہ کم سے کم تین مصرعے اور زیادہ سے زیادہ دس مصرعے ہموزن اور ہم قافیہ کہے جائیں۔ (ان سب کا نام بند ہوگا) پھر اور بند بھی اسی طرح اسکے ہموزن ہوتے ہیں۔ اور اُن میں اتنے مصرعے ہوتے ہیں جتنے پہلے میں۔ مگر اخیر مصرع کے سوا جو اول بند کے آخر میں ہوتا ہے۔ باقی سب مصرعے اور بندوں کے الگ الگ قافیہ پر ہوتے ہیں۔ بندوں کی تعداد معین نہیں۔ اگر بند میں تین مصرعے ہوں تو وہ مسمط مثلث اور چار ہوں تو مربع پانچ ہوں تو مخمس چھ ہوں تو مسدس سات ہوں تو مسبع آٹھ ہوں تو مثمن اور نو ہوں تو متسع دس ہوں تو معشر کہلاتا ہے۔

اس میں ترکیب بند اور ترجیع بند بھی شامل ہیں - اور یہ دونوں ایک ہی ہیں -
فرق صرف اتنا ہی ہے کہ ترکیب بند میں ہر بند کے بعد مختلف اشعار آتے ہیں اور
ترجیع بند میں وہی ایک شعر جو پہلے بند کے بعد آچکا ہے - مثل ترکیب بند وزیر

ہوا ہے اب کے بفیض طبیب ابر بہار — چمن میں دیدۂ نرگس تلک نہیں بیمار
رہا چمن میں نہ آزار دیدہ بلبل کو — پلایا جام گلِ تر نے شربت دیدار
وفورِ عیش سے بزم نشاط ہے گلشن — کلی جو چٹکی تو آئی صدائے نغمہ تار
عجب نہیں پر پروانہ ہو پر طوطی — نہالِ شمع تلک سبز ہو کے لائے بار
یہ فیض باد بہاری ریاض دہر میں ہے — ہے ذہن زر گل شگفتہ جو نکلے شرار
گماں غلط ہے کہ بارِ ثمر سے ہو گئے خم — جھکے ہیں شکر کے سجدہ کو باغ میں اشجار
چمن میں نام خدا ہے ہجوم گل ایسا — جگہ نہیں جو کرے عندلیب وا منقار
ہجوم لالہ و گل آں قدر شدست وزیر — نماند جائے کہ بلبل کشد زسینہ صفیر

مثل ترجیع بند — مولف

واں ہوتا ہے دم ہوا صبا کا — شکوہ نہیں آہ نارسا کا
کھلتا ہی نہیں جو عقدۂ بخت — کیا بند ہے آپ کی قبا کا
ہم تم پہ مریں تو گویا دم دیں — تم مارو تو نام ہو قضا کا
دل لائیے ہاتھ میں ہمارا — دل لینا ہے کام دلربا کا
دل دشمن جان تھا تمہارا — کیا کہنے ہیں واہ خوب تاکا
مجھ دور نہیں ہے خاک اڑانی — پر پاس ہے تیری نقش پا کا
اس زلف کو کردیا ہے برہم — دل ہی بنا ہوا بلا کا

یہ ظلم یہ جور بندہ پرور — کچھ خوف بھی چاہیے خدا کا
رفتی و مرا خبر نکردی — بر بیکسیم نظر نہ کردی

کوچہ میں جو تیرے خوں بہا ہے — قاتل یہی میرا خوں بہا ہے
اللہ رے غرور حسن تیرا — اچھا ہونا بھی کیا برا ہے
ناکامیٔ دشمناں مبارک — کہتے ہیں کہ دوست بیوفا ہے
آہوں کے دھوئیں اڑا دیے ہیں — وہ زلف سیہ بھی کیا بلا ہے
غیروں کی یہ دلدہی کہ توبہ — ہم سمجھے تھے یار دلربا ہے
ناصح نظر آؤ چلتے پھرتے — آنکھیں ہیں جہاں وہ نقش پا ہے
تم بھی تو ہو خون کے پیاسے — غم کھانے کا ہمکو گر مزا ہے
انصاف تو کیجے اپنے دل میں — یہ بھی کوئی شیوۂ وفا ہے
رفتی و مرا خبر نکردی — بر بیکسیم نظر نکردی

پھر آئے جو کوچۂ بتاں سے — جانو کہ پھرے خدا کے ہاں سے
مرجاؤنگا پھر نہ کہیو ناصح! — دھو بیٹھے ہاتھ اپنی جاں سے
کیا وعدۂ وصل کی خوشی ہو — ڈرتا ہوں فریب آسماں سے
ملتی ہے جو پاؤں میں مہندی — مل دو مری چشم خونفشاں سے
ارمان میں لے چلا ہوں لاکھوں — کچھ کوئی نہ لیگیا جہاں سے
جسوقت ترا قدم اٹھا تھا — میں ہائے نہ اٹھ گیا جہاں سے
رفتی و مرا خبر نکردی — بر بیکسیم نظر نکردی

ان کے علاوہ بلحاظ معنی ایک اور قسم بھی ہے۔ جو اکثر مسدس میں ہوتی ہے

اِسکا نام ہے واسوخت - چونکہ اِس میں شاعر اپنی وفاداری اور معشوق سے بیزاری
ترک عشق وغیرہ کا بیان کرتا ہے - اور واسوختن کے معنے ہیں - منھ پھیرنا یا اعراض
کرنا - اِس لیئے اسکا نام واسوخت مقرر ہوگیا - اِس کے موجد اردو میں ملک الشعرا
جناب میر تقی صاحب مرحوم ہیں اور فارسی میں وحشی یزدی ہیں - **مولف**

کل کی ہے بات کہ تم مایل آزار نہ تھے | غمزہ و ناز کی باتوں سے خبردار نہ تھے
ساتھ اغیار کے پھرتے سر بازار نہ تھے | جور کیش و ستم اندیش جفا کار نہ تھے

داغ دیتے تھے ہمیں روز نہ تم بار نئے
گل کھلاتے تھے نہ یوں غیرت گلزار نئے

کوئی اس کاکل مشکیں کا گرفتار نہ تھا | کوئی اِس خنجر ابرو کا دل افگار نہ تھا
کوئی بھی آپ کا وارفتۂ رفتار نہ تھا | دیکھنے کو بھی کہیں چشم کا بیمار نہ تھا

اِسقدر شہرۂ آفاق کہاں تھے پہلے
اب جو ہیں آپ کے مشتاق کہاں تھے پہلے

فتنے اُٹھتے تھے کہاں گرمی رفتار سے یوں | سینے جلتے تھے کہاں آتش رخسار سے یوں
لوگ زخمی تھے کہاں ابروے خمدار سے یوں | خوں بہا کرتے تھے کب آپ کی تلوار سے یوں

آتشیں حسن کی تھی گرمیٔ بازار کہاں
پیدا ہوتے تھے نئے روز خریدار کہاں

عشق اعدا ایسی کیا کرتا تھا شیوہ کسدن | تھامے پھرتے تھے جگر آپکے دشمن کسدن
پانو غربال تھے لے غیرت گلشن کسدن | چھانتے خاک پھرا کرتے تھے بن بن کسدن

گل خنداں کی طرح چاک گریباں کب تھے

اپنی زلفوں کی طرح آپ پریشاں کب تھے

اسقدر شوخ تھے کب اتنی شرارت کب تھی　　اسقدر تم کو میری شکل سے نفرت کب تھی

غیر سے رسم تھی کب خط وکتابت کب تھی　　یوں خفا ہونے کی ہر بات پہ عادت کب تھی

جھڑکیاں کھاتے تھے ایسے گنہگار سے ہم

منہ کو کب دیکھ کے ہو جاتے تھے ناچار سے ہم

(۸) اوپر کی سات قسموں میں سے کسی طرح کے نظم جسکے اوپر ہر ایک مصرعہ کی آخر میں کوئی ایسا فقرہ بڑھایا گیا ہو جو لفظوں میں اس کے وزن سے پون مصرعہ کے اول و آخر رکن کے برابر ہو۔ اور معنی میں بھی میل کھاتا ہو۔ مگر مصرعہ کا مضمون اُس پر منحصر نہو۔ ایسے فقرہ کبھی دو بھی بڑھا دیتے ہیں۔ **مومن**

مومن دل ساکنان جو برباد دیا　　مانند حباب

ان سنگ دلوں کو دیکے کیا خاک لیا　　جز رنج و عذاب

یعنی وہ مکاں کہ تھا خدا کا مسکن　　کر نذر بتاں

برباد کیا اسے یہ کیا کام کیا　　اے خانہ خراب

(۱)۔ صنایع بدایع۔ اُن قیدوں کا نام ہے۔ جو صرف حسن کلام کے واسطے مقرر کی گئی ہیں اسی لئے بعض شخص فضول خیال کرتے ہیں۔ یہ انگریزی۔ فارسی۔ اُردو۔ عربی سنسکرت سب زبانوں میں آتی ہیں۔ اور جیسا نظم میں انکا استعمال ہے۔ ویسا ہی نثر میں مگر زبان اردو میں اسکی مثالیں نہایت اہم کام ہے۔ اسلیے چند صنعتیں جو کثیر الاستعمال ہیں۔ اور تکمیل اردو کیلئے لازمی ہیں۔ لکھتا ہوں۔ اول صنایع لفظی جسکی بہ قسمیں ہیں۔

(۱) صنعت مقابلہ جس میں دو مخالف معنے بیان کریں **مولف** تیرے حسادا کو
خون جگر - ترے احباب اور مئے گلنار -

(۲) مراعاۃ النظیر - یا تناسب - وہ یہ کہ کئی چیزیں متناسب ایک جگہ ذکر کریں **مولف**
ہاتھ میں ہے گرچہ مثل طایر رنگ حنا مرغ دل صیاد اڑ جانے کو پر طیار ہے

(۳) ایہام - ایک لفظ میں دو معنے ہوں - حکاک کا پسر بھی مسیحا سے کم نہیں
فیروزہ ہووے مردہ تو دیتا ہے وہ جلا -

(۴) استخدام وہ صنعت ہے جس میں کچھ لفظ دو معنی جمع کریں اور اُس کے معنے ایک جگہ
کام لیں اور دوسرے سے دوسری جگہ - ہ
اغیار میں نمیہ نہ میں ہجر میں تڑپوں جی جانا ہی لے کاش دل آنے کی سزا ہو

(۵) لف و نشر - وہ ہے کہ پہلے مصرعہ کے الفاظ کا دوسرے میں متقابل بیان ہو **مولف**
میری وحشت سے تیرے نار بیاباں ہو گئے پھول گلشن میں نہیں خار بیاباں میں نہیں

(۶) حسن التعلیل کسی شے کی علت و وجہ خلاف اصل بیان کرنی - **ذوق**
پتھرا دیا جلوہ نے تیرے چشم صنم کو چکرا دیا غمزہ نے تیرے طرف حرم کو

(۷) تجاہل العارف - جان کر انجان بننا - **مولف**
میرا مرقد ہے تجلی گاہ کس کے نور کا آفتاب حشر ہر ذرہ ہے خاک گور کا

(۸) تعجب - کلام میں الفاظ تعجب لاتے **مولف**
آنکھیں چراتے ہیں میرے درماں سے چارہ گر یارب میں کس کی چشم کا بیمار ہو گیا

(۹) - براعت الاستہلال - شروع کلام میں ایسے مناسب لفظ لاتے جو مضامین آئندہ
کی خبر دیں جیسے شروع گلزار نسیم میں - (جسمیں گل بکاولی کا قصہ ہے) **نسیم**

اول شعر لکھا ہے۔ سے ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری ✤ ثمرہ ہے قلم کا حمد باری ✤

(۱) تلمیح اُس صنعت کا نام ہے کہ کلام کا تعلق کسی قصہ سے پایا جائے **ذوق**

خبر کر جگ نوفل کی تو مجنوں اہل ہوس کو کیا دہ تا صبا کچھو لے شاخ بید مجنوں کو

دوسری قسم صنایع بدایع کی صنایع لفظی ہے جن میں

(۱) تجنیس۔ کہ لفظ یا چند حروف تلفظ میں یکساں قریب المخرج ہوں اور معنی میں مخالف

مصحفی دیکھو دیکھو گے نہ پھر تم مرے سر کی صورت سامنے سے مری آنکھوں کے جو سرکی صورت

(۲) اشتقاق۔ چند لفظ ایک مصدر یا مادہ سے ایک جگہ جمع کر دیئے جائیں **غالب**

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیے ✤ تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے

ان کے علاوہ قطع الحروف۔ منقوطہ۔ مہملہ۔ رقطا۔ خیفا۔ فوق النقاط۔ تحت النقاط

مقطع موصل۔ واسع الشفتین۔ واصل الشفتین۔ ذوقافیتین۔ متلون۔ منقوص

محذوف۔ سیاق الاعداد۔ تنسیق الصفات۔ توشیح۔ اطراد۔ توجیہ۔ اتباع۔ سجاع

مذہب کلامی۔ تاکید مدح مشابہ بالذم۔ مبالغہ۔ تجرید۔ وغیرہ اور بہت سی صنعتیں لفظی

ومعنوی ہیں جو محض تصنع وتکلف کے طور پر متقدمین لاتے تھے۔ دوسری صنایع لفظی

اسواسطے بھی کم لکھی گئی ہیں کہ انشا پرداز کو اسکا پابند ہو جانا ادائے مطالب میں ضعف

پیدا کرتا ہے۔

(۳) تشبیہ۔ ایک چیز کو دوسری سے مانند کرنا۔ جیسے

قامت۔ سرو۔ صنوبر۔ شمشاد۔ سرو ناز۔ سرو سہی۔ طوبیٰ۔ شاخ گل۔ قیامت

نخل۔ نہال۔ تیر۔

خرام۔ بہار۔ برق۔ نسیم صبح۔ نسیم۔ باد صبا۔ شمیم گل۔ موج۔

موئے سر - شب - نیم شب - شب دیجور - شب یلدا - ظلمات - مشک عنبر - دام - شام - ابر سیاہ -

فرق - راہِ ظلمات - خطِ استوا - کہکشاں - برقِ درخشاں - تیغ

زلف - سنبل - دستۂ سنبل - ریحان - کمند - زنجیر - مار - مشک - شام - شب عمر دراز - حبش - تازیانہ - عقرب - عنبر سارا - رشتہ - رسن - دود - لام - سیسم چوگان - چلیپا - ابر سیاہ - قلاب - دام - ہند - ہندو - کافر - خطا - ختن - تاتار - چین

رخ - ماہ - آفتاب - شمع - چراغ - کعبہ - مصحف - گل - شعلہ - مشعل - تجلی طور لالہ - ارغوان - صبح - روز - گلستاں - گلشن - گلزار - چمن - بہشت - باغ - ارم

خال - ہندو - زنگی - حبشی زادہ - مشکدانہ - اسپند - نقطۂ سویدا - مردمک - حجر الاسود

جبین - آئینہ - لوح سیمین - لوح محفوظ - ماہ - ہلال - بدر - ماہ نو - خورشید زہرہ - مشتری - سہیل -

ابرو - موج - محراب - ہلال - کمان - قوس قزح - ذوالفقار - شمشیر - خنجر حلقۂ کمند - طاق - کلید - نون خط نسخ -

چشم - بادام - نرگس - ترک - ہندو - زہرہ - بابل - ہاروت - سامری ساحر جادوگر - جام - ساغر - آہو - روزگار - حرف صاد - حرف عین -

مژگان - خنجر - تیغ - سنان - نیزہ - تیر - خار - سوزن - چنگل باز - چنگل شاہین خدنگ - پیکان - نیش - نشتر -

گردن - صراحی - دستۂ عاج - بیاض صبح - گردن آہو -

بینی - الف - غنچۂ نرگس - غنچۂ شبو - غنچۂ گل - غنچۂ یاسمین -

لب - غنچہ - برگِ گل - رگِ گل - آبِ حیات - خرما - پستہ - موجِ آبحیات
موجِ کوثر - موجِ شراب - رشتۂ مریم - رشتۂ جان - مسیحا - شہد - شکر - نبات - قند
لعل - یاقوت - عقیق - مرجان - سہیل - ہلال - آتشِ خاموش - شفق - اخگر -

خط - بنفشہ - ہندو - ریحان - زمرد - خطِ غبار - نامۂ خضر - سبزہ - مورچہ
ہالہ - زنگ - حبش - عنبر - مشک - جدول - زنگار -

دہن - غنچہ - پستہ - انگشتری - جوہرِ فرد - نقطۂ موہوم - صفر - عدم - صدف
قطرہ - تنگ شکر - حقۂ مروارید - حقۂ مرجان - حقۂ یاقوت - حقۂ لعل - میم - دلِ مور
چشمِ مور - نمکدان - کوزۂ نبات -

دندان - گوہر - دُر - ژالہ - الماس - انجم - دانۂ انار - عقدِ پرویں -
عقدِ گوہر - سلکِ دُر - غنچۂ یاسمین - غنچۂ نسترن -

خندہ - برقِ لمعہ - برقِ شکریں - نمکین - غنچۂ نیم شگفتہ - صبح -

زنخدان - سیب - شفتالو - گوئی سیمیں - شمامہ - دستنبو - بہی - سیبِ جنت
سیبِ سمرقند -

دوش - آئینہ - صبح - صفائی صبح - سیم - یاسمن - سمن - نسرین - نسترن

ساعد - گلدستہ - شاخِ گل - ماہی سیمیں -

پنجہ - آفتابِ سحر - پنجۂ مرجان - شفق - پنجۂ گل - لفظ اللہ

کف - برگِ گل - مرہم - دریا -

ناخن - ہلال - آئینہ - بدر

سرِ انگشت - غنچۂ گل - فندق - عناب - گلِ اورنگ -

لطف - ابر - دریا - چشمۂ کوثر - آبحیات - بارانِ رحمت - باغِ جنت - مشک کافور - نسیمِ صبح - بادِ بہاری - شمیمِ گل - باغِ گلستان بہشت - عطر -

قہر و غضب - برق - آتش - بادِ سموم - صرصر - سیلابِ تند - صورِ محشر - بادِ خزاں - طوفانِ باد -

مخصوصات

ج اہل فارس کا ایک یہ بھی قاعدہ ہے کہ وہ اسم جنس کے ساتھ کوئی مقررہ لفظ بولتے ہیں - اور یہ اردو میں بھی کثیر الاستعمال ہے جیسے مبلغ پندرہ روپیہ - موازی آٹھ آنہ - علیٰ ہٰذا القیاس

زنجیر - ہاتھی کے لیے خاص ہے پنج زنجیر فیل -

سلک - ہار کے واسطے -

ضرب - لاٹھی بندوق توپ تپنچہ کے واسطے -

دستہ - تیر کے واسطے -

فرد - قالین وغیرہ اشیاء فرش و کاغذ کے واسطے -

مہار - اونٹ کے واسطے خاص ہے -

طاقہ - زربفت - مخمل - طاس - بانات وغیرہ

ساز - باجہ کی چیزوں پر

جلد - کتاب - چمڑا -

ثوب - آستین دار کپڑا -

نفر - خدمتگار - مزدور - ملازم - حجام - گاذر وغیرہ -

راس - لادنے اور دودھ کے جانوروں پر گھوڑے - ہرن - گینڈے کو بھی کہتے ہیں

دست - شکاری پرندوں مثل باز وغیرہ اور ڈھال خلعت کے واسطے بھی -

قلاوہ - درندوں کے لیے جیسے شیر - چیتا - کتا - بندر - ریچھ - لنگور -
اور خرگوش کو بھی -

منزل - خیمہ - قنات - کشتی - مکان - پلنگ - چوکی - ہودہ - عماری
زین - پالکی - بہل - چھکڑہ -

باب - خاص خیمہ پر

عراوہ - خاص توپ کے لیئے -

قطعہ جواہرات - الماس - لعل - فیروزہ - اور خط - کھت - تالاب - باغ وغیرہ

قبضہ - کاٹ کے ہتھیار - مثل تلوار - خنجر - پیش قبض - چاقو - جمبیہ - چھرا
اور کمان کو بھی -

جفت - موزہ - جوتا - کھڑانو - زیور کا جوڑہ - مثل بازوبند - کنگن وغیرہ

مبلغ - روپیہ - اور اشرفی پر -

موازی - گٹھہ - بیگھہ - ٹکہ - فلوس - من - سیر -

دانہ - موتی - مونگا - اور میوہ کے اقسام - مثل انار - سیب - بہی وغیرہ

عدد - برتنوں کے اقسام پر - اور یہ لفظ ایسا عام ہے کہ بہت جگہ بولا جاتا ہے
مثلاً - تین عدد بندوق - چار عدد قالین - پانچ عدد الماس - چھ عدد انار
وغیرہ - وغیرہ

تنبیہ - سوائے لفظ مبلغ اور موازی کے اور سب لفظ شمار کے بعد بولے جاتے
ہیں - مثلاً پنج نفر مزدور - چہار راس اسپ وغیرہ

مخففات

(د) علامات جو جا بجا نظم و نثر میں استعمال کرتے ہیں

لفظ اصلی	لفظ مخفف	لفظ اصلی	لفظ مخفف
الیٰ آخرہ	الخ - اہ	ظاہر	ظ
تعالیٰ	تع	علیہ السلام	عم - عم
رحمۃ اللہ	رح - رہ	مقصود	مقصد
رضی اللہ عنہ	رض	مطلوب	مط
صلی اللہ علیہ وسلم	صلعم یا صم	مصنف	مص
صحیح	صح	نسخہ	نخ
حد	۱۲	متکلم	م
قولہ	ق	۔۔	۔

ان کے علاوہ عام قاعدہ یہ ہے۔ اختصاراً لفظ کے اول کا ایک حرف لکھدیتے ہیں۔ مثلاً ترجمہ کی ت سوال کا س - جواب کا ج - شرح کا ش - فایدہ کی ف

تبدیلات

(س) بعض لفظ اردو میں ایسے کثیر الاستعمال ہیں کہ اگر اُن کی اصلیت ڈھونڈھیں تو پتہ نہیں لگتا۔ گو فارسی عربی - انگریزی جرمن - مارواڑ کے ہیں۔ مگر جیسا دیس ویسا بھیس اردو میں کچھ اور ہی وردی پہن لی ہے جیسے

لفظ	اصل	کس زبان کا ہے	لفظ	اصل	کس زبان کا ہے
بادل	بارد - بادر	سنسکرت	چاندنی	چاندری	سنسکرت

لفظ	اصل	کس زبان کا ہے	لفظ	اصل	کس زبان کا ہے
ڈوڈو	ڈگدہ	سنسکرت	رومال	روپاک	فارسی
خیرسلا	خیروصلاح	عربی	ارداوہ	آرد آبیشہ	״
شرڑوا	شورابہ	فارسی	کھیا	کیبہ	״
ہمام دستہ	ہاون دستہ	״	قبور	قربوس	ترکی
دسپنا	دست پناہ	ہندوستانی گھوٹ	مردارسنگ	مُردہ سنگ	فارسی
بجاوہ	پڑاوہ	فارسی	ٹاٹ باغی	تار باقی	״
زرسی کونا	زرکہنہ	״	تار تِلا	تار طلا	״
بک بک جھک جھک	بق بق تعق بق	ترکی	توبہ تِنو ہا	توبۃ النصوحا	عربی
تماشہ	تاسہ	فارسی	سربندی	سپہ بندی	فارسی
افراتفری	افراط تفریط	عربی	قلانچ	قلاش	ترکی
قرق	قیورق	ترکی	چپک	چخ	״
بجے منڈل	بدیع منزل	عربی	نیلام	لیلام	پرتگالی
لالٹین	لین ٹرن	انگریزی	اسٹام	سٹمپ	انگریزی
بسکٹ	بسکِٹ	״	بوتام	بوتان	فرنچ
پستول	پسٹل	״	فلالین	فلینل	انگریزی
بابرینٹ	بابی نٹ	״	بوتل	باٹل	״
درجن	ڈزن	״	بٹن	بٹن	״
میم	میڈم	״	اردلی	آرڈرلی	״

اسیطرح سٹیشن ٹکٹ ریل پولس وغیرہ صدہا لفظ ہیں کہ جمع کیے جائیں تو ایک ڈکشنری تیار ہو جائے -

مستثنیات

(ل) اردو میں اکثر قواعد کے خلاف بھی بولے جاتے ہیں - جیسے

(۱) جہاں زیادہ تعظیم ہو - جمع حاضر کے صیغہ میں واؤ مجہول یاء مجہول سے بدل جاتی ہے - کھاویئے سے کھائیے -

(۲) - مصدر امر کا حکم رکھتا ہے - یہ مجھے دینا - اسکے پاس نہ جانا

(۳) - مصدر اسم ہوتا ہے - کھانا کھالیجئے -

(۴) کبھی فعل حال ماضی قریب کا فایدہ دیتا ہے حسن عسکری صاحب کا خط آیا ہے - آپ کو سلام کہتے ہیں -

(۵) کبھی اثبات حال کیواسطے ماضی مطلق کا صیغہ بولا جاتا ہے - تم چلو میں ابھی آیا -

(۶) کبھی اسکے برخلاف حال ماضی مطلق ہوتا ہے - آنکھ اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں - وہی ٹھاٹھ دھاری فقیر موجود -

(۷) بعض مصدر اپنے اصلی معنوں کے خلاف تاکید و تنبیہ کے واسطے آتے ہیں - دیکھنا مقدمہ ہاتھ سے نہ جاتا رہے -

(۸) کبھی فعل حال استقبال کا فایدہ دیتا ہے - بے جگہ آنکھ لڑی دیکھیے کیا ہوتا ہے -

(۹) دیکھیے حرف شک کے موقع پر بھی بولتے ہیں - منہ چھپانا آپکا کیا دکھائیے دیکھیے -

(۱۰) جب متکلم تاکید نفی بولتا ہے تو مخاطب بھی حرف ہی ہے جواب میں کہتا ہے وہ اسوقت اثبات کا فایدہ دیتا ہے - دیکھو اس معاملہ میں اقرار نہ کرنا (جواب) نہیں!!! یعنے بہت اچھا

(۱۱) جہاں مصدر امر کی جگہ بولا جائے۔ اور اظہار تعظیم منظور ہو تو تا آخر کے یجے لگا دیتے ہیں۔ لینا سے لیجے دینا سے دیجے۔ زیادہ تعظیم منظور ہو تو اس پر گا اور زیادہ کر دیتے ہیں جیسے مجھے اطلاع کر دیجیے گا۔

(۱۲) ماضی تمنا کی حال کے معنوں میں بھی آجاتا ہے۔ دیکھیے آپ اچھا نہیں کرتے

(۱۳) ماضی مطلق مستقبل کی جگہ۔ آج چاند ہوا تو کل عید ہوگی۔

(۱۴) فعل حال مستقبل کی جگہ۔ میں اپنا گھوڑا بیچتا ہوں کیا دیتے ہو؟

(۱۵) کبھی ماضی مطلق کی ساتھ کرنا کے مشتقات تواتر کا فایدہ دیتے ہیں۔ وہ ہمیشہ شام کے وقت آیا کرتے ہیں۔

(۱۶) کبھی ہوگا ماضی شکیہ کے علاوہ تنہا آتا ہے تو ہونا کا مستقبل سمجھا جاتا ہے۔ ایسا ہوگا تو اچھا ہوگا۔

(۱۷) بعض فعل محاف معنے پیدا کرتے ہیں۔ بیٹھے۔ کہ فعل مضارع بھی ہے۔ اور ماضی مطلق بھی ہے

(۱۸) متعدی اور لازمی کے پہچاننے کا قاعدہ یہ ہے۔ کہ جس ماضی مطلق کے ترجمہ میں نے آئے وہ متعدی۔ اور جس میں نہ آئے وہ لازمی۔ اس کے علاوہ یوں بھی پہچان سکتے ہیں کہ جس فعل کا تمام جسم سے تعلق ہو وہ لازمی ورنہ متعدی جیسے دوڑنا تمام جسم سے دوڑا جاتا ہے اسکا تمام جسم سے تعلق ہے یہ لازمی ہے۔ کھانا یہ صرف ہاتھ سے یا منہہ سے کھایا جاتا ہے یہ متعدی ہے وقس علی ھذا البواقی۔

(۱۹) جس طرح فارسی میں جملہ شرطیہ میں حرف شرط آتا ہے اور حرف جزا نہیں آتا اسکے برعکس اردو میں بھی حرف شرط لانا غیر فصیح معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے کوئی جگہ خالی ہوئی تو میں ضرور آپ کا خیال رکھونگا۔

(۲۰) کیا حرف استفہام ہے۔ مگر اُس کی تکرار مساوات کا فایدہ دیتی ہے - کیا امیر کیا غریب سب اُس کے دامن دولت میں پرورش پاتے ہیں -

(۲۱) ماضی بعید ماضی قریب کی جگہ آجاتا ہے - جس وقت محمود کا دم نکلا ہے دنیا آنکھوں میں اندھیر تھی -

(۲۲) ماضی بعید اپنے اصلی معنوں کے خلاف بول دیتے ہیں - بیٹھے بس گیا نہیں تو کھینو پر پانی پھر گیا تھا

(۲۳) کبھی صرف ماضی مطلق اسم حالیہ ہوتی ہے - علی الصباح ایک آدمی دوڑا آیا اور کہا کہ چلو تلوار چل گئی

(۲۴) کبھی چاہیے کا لفظ حذف کر دیتے ہیں - آپ کو ان کی باتوں پر نہ جانا تھا -

(۲۵) کبھی ماضی مطلق ماضی قریب کے معنوں میں آجاتی ہے - ایسا فاضل ہوا نہ ہو -

(۲۶) کبھی صرف ہو ہوگا کا کام دیدیتا ہے - تمنا چھوٹا تھا ہو -

(۲۷) جو حرف موصول ہے مگر مفاجات کے معنے میں بھی آجاتا ہے - کمرکھول رہا تھا جو چوبدار سنچا

(۲۸) کبھی اشارہ کلام میں یا محذوف ہو جاتا ہے - ابھی انسپکٹر صاحب آئے نہیں؟

(۲۹) کیا تاکید توصیف و انبساط کے واسطے بھی آتا ہے - کیا پیارا بچہ ہے کیا اچھا پھول ہے

(۳۰) اکثر ماضی تمنائی ماضی استمراری کا فایدہ دیتی ہے - عورت مرد بچہ جو آتا انہیں کی طرف جھکتا -

(۳۱) کبھی مصدر کے آخر میں صرف یا مجہول مصدر کے معنے پیدا کر دیتی ہے - وہ دعوت کھانے جاتے ہیں

(۳۲) کو آمادگی ظاہر کرتا ہے - وہ یہاں آنے کو ہیں - اور یہی سے اور زیادتی - آنے ہی کو ہیں

(۳۳) بعض مصدروں کے مشتقات صرف تاکید کلام کے واسطے اور معنوں کے ساتھ آتی ہیں جیسے رہنا - ہونا - کرنا - لینا - دینا - وہاں ایسی باتیں زد رہتی ہیں -

ایسے لوگ ہمیشہ بچے چھپتا یا کرتے ہیں - اس نے تھوڑے دن میں رعایا کو پرچا لیا - جو منہ سے کہتے ہیں کر کے دکھا دیا کرتے ہیں - اسی طرح نواب کے انداز بدلنے لگے

کیونکہ کمانِ تقدیر میں سے تیر نکل چکا تھا۔

(۳۴) کبھی آج کے دن کہنا ہوتا ہے۔ تو آج کو کہدیتے ہیں۔ آج کو نواب زندہ ہوتے تو دیکھتے !!

(۳۵) کبھی پیچھے کا لفظ فی کس اور فی نفر کے معنے پیدا کرتا ہے۔ پچھلے انعام میں تو آدمی پیچھے پانچ پانچ روپیہ آئے تھے۔

(۳۶) جسطرح فارسی میں ایک لفظ کی تکرار کثرت کا فایدہ دیتی ہے۔ دامن دامن گل مراد چیدم گل گل نشاط جوشیدم۔ اسی طرح اردو میں بولتے ہیں عجب نہیں کہ یہ محاورہ فارسی سے ہی لیا ہو۔ مگر اتنا تکلف اور کرتے ہیں کہ دونوں لفظوں کے بیچ میں کا بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے شہر کا شہر سوگوار ہے ہے یہ یورش زمانے کا زمانہ دل کا۔

(۳۷) اترتے اور چڑھتے ابتدا اور انتہا کے معنے پیدا کرتے ہیں۔ اُترتے ساون آئے تھے چڑھتے پھاگن چلے گئے۔ مگر کثیر الاستعمال "نئے چڑھنے کی جگہ آتے لگتے۔ اور اُترتے کی جگہ نکلتے" اور جاتے چڑھنے کا لفظ اہل اسلام میں اکثر چاند کے ساتھ آیا ہے آتے جاڑے گوار لگتی ہے جڑا دل تیار ہو جائے۔ چڑھتے چاند لڑکی کی شادی ٹھہرانا۔ اترتے ساون چاہ بوتے ہیں۔ نکلتے برسات ٹپکے پڑنے لگتے ہیں۔ آم امرود نکل آتے ہیں

(۳۸) آئے کا لفظ دن کے ساتھ ملکر ہمیشگی کے معنے دیتا ہے۔ محسن مرزا آئے دن بیمار ہی رہتے ہیں۔

(۳۹) پانچ کا لفظ جب سے کے ساتھ آتا ہے تو چ حذف ہو کر سو سے بن جاتا ہے پانسے روپیہ کی خرید ہے۔

(۴۰) تو حرف جزا کے علاوہ تخصیص کا بھی فایدہ دیتا ہے۔ یا یوں سمجھو کہ استثنا ظاہر کرتا ہے۔

ڈپٹی حشمت رسول نہایت معقول آدمی ہیں۔ ۔ مرنا تو ہے ہی۔

(۳۹) آدمی کا لفظ نہایت عام ہے۔ مگر اکثر اِس سے خاص قاصد یا غلام خدمتگار کے معنی مفہوم ہوتے ہیں۔ مرد خدا میں نے کئی بار آدمی بھیجا تم نے کتاب نہ بھیجی یہ بھی کوئی آدمیت ہے۔ ؟ ۔

(۴۰) کون اور کِسکا حرف استفہام ہیں۔ مگر محاورہ میں کون کثرت اور کِسکا نفی ثابت کردیتا ہے۔ کون وقت اے وائے گذرا جی کو گھبراتے ہوئی ۔ موت آتی ہے اجل کو یہاں تلک آتے ہوئے۔ کِسکا کھانا کِسکا پینا کیسا سونا کہاں کا سیر تماشا وہان اپنی جان پر بن گئی۔

(۴۱) مصدر کے بعد تہا لانا زیادگی اور مفاجات ظاہر کرتا ہے۔ میرا چلنا تھا کہ حادثہ الگتبہ ساتھ ہوگیا۔

(۴۲) اسی طرح اور کا لفظ۔ رخصت منظور ہوئی اور میں آیا۔

(۴۳) ہی علاوہ حرف تخصیص کے ترقی تفصیل بھی ظاہر کرتا ہے۔ بہت اچھا بہت ہی اچھا

ضرب الامثال

ضرب المثل	معنی
(۱) آپ بانچے تو ہر کو بھجے۔	خاکساری عبادت ہے۔
(۲) آپ کاج مہا کاج	اپنا کام خوب ہوتا ہے
(۳) آنتیں پڑی تو پرماتما کی سوجھی۔	فراغت سے عبادت ہے
(۴) بڑا بول قاضی کا پیادہ	مغرور پشیمان ہوتا ہے
(۵) بسم اللہ کے گنبد میں بیٹھے ہیں	دنیا سے واقف نہیں۔

(۶) آج کے بھیے آج نہیں چلتے ۔ — جلدی سے کام نہیں نکلتا ۔

(۷) بندگی بیچارگی ۔ — نوکری میں اختیار نہیں ۔

(۸) آدمی آدمی انتر کوئی ہیرا کوئی کنکر — سب یکساں نہیں ہوتے ۔

(۹) آدمی کا شیطان آدمی — بد کی صحبت بد کر دیتی ہے ۔

(۱۰) بندہ بشر ہے — انسان سے غلطی ہو ہی جاتی ہے

(۱۱) آگ کھائیگا سو انگارے ہگے گا — جو کرے گا سو پائے گا ۔

(۱۲) بھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹے کان — تکلیف کی زیبائش کچھ نہیں ۔

(۱۳) پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل — بے علم کی تعلّی کے وقت بولتے ہیں ۔

(۱۴) پنچ مل کیجے کاج ہارے جیتے آئے نہ لاج — صلاح کی کام میں ندامت نہیں ہوتی

(۱۵) دیکھئے اونٹ کس کل بیٹھتا ہے — خدا جانے کیا ظاہر ہو ۔

(۱۶) سانچ کو آنچ نہیں ۔ — سچے کو کیا خوف ۔

(۱۷) ایک پنتھ دو کاج ۔ — کام میں کام نکل جائے ۔

(۱۸) ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات — اچھے آثار ابتدا سے معلوم ہو جاتے ہیں

(۱۹) ایک تو کریلا دوسرا نیم چڑھا ۔ — آپ بُرے پھر صحبت بُری ۔

(۲۰) کیا پدی کیا پدی کا شوربا ۔ — بے حقیقت چیز کی نسبت ۔

(۲۱) اینچن چھوڑ کھینچن میں پڑے — پہلے سے زیادہ لعنت میں پھنس گئے

(۲۲) بھیجے بن پانو دفتر میں تانو ۔ — دخل در معقولات ۔

(۲۳) پھول نہیں پنکھڑی سہی ۔ — جو مل جائے غنیمت ہے ۔

(۲۴) تھکا اونٹ سرائے کو دیکھتا ہے — لاچار تھوڑا سا سہارا ڈھونڈھتا ہے ۔

(۲۵) تیتر کے منھ پچھی -	نیک فال سے مراد ہے -
(۲۶) تیری آواز مکے اور مدینے -	دعائے شہرت -
(۲۷) تین دن قبر میں بھی بھاری ہیں	خدا کا خوف ہر وقت چاہیئے -
(۲۸) جسکی لاٹھی اُس کی بھینس -	زبردست کا قبضہ سب پر -
(۲۹) بھیڑ کی لات ٹخنوں تک -	کمزور کی جرأت کی نسبت -
(۳۰) بھیک کے ٹکڑے بازار میں ڈکار	مفلس کی شیخی کی نسبت -
(۳۱) بیل نکودا گودی کون -	خلاف محل اور عجیب بات -
(۳۲) بے میر بازی ابتر -	بغیر سرپرست انتظام خراب -
(۳۳) جتنا اوپر اُتنا ہی نیچے -	شریر شفنی آدمی -
(۳۴) جدہر مولی اُدھر آصف الدولہ	خدا مہربان توسب مہربان -
(۳۵) زبانِ خلق نقارۂ خدا -	شہرت بے اصل نہیں ہوتی -
(۳۶) جیسے اسامی ویرا سا -	دنیا امید پر قایم ہے -
(۳۷) چراغ گل پگڑی غایب -	انکھ بچی مال دوستوں کا -
(۳۸) چیر دچار بکھار و پانچ -	موٹے تازہ انسان کی بابت -
(۳۹) چیل کے گھر ماس کہاں -	فضول خرچ کے پاس روپیہ کہاں
(۴۰) حجرا بی مجرا بی -	ستقی بنکر عیش اُڑانا -
(۴۱) خدا گنجے کو ناخن ندے -	نیچ کو عالی رتبہ ہونا اچھا نہیں -
(۴۲) کالے کے آگے چراغ نہیں جلتا -	زبردست سے کچھ نہیں چلتی -
(۴۳) دکھ بھریں بی فاختہ کوے میوے کھائیں	جو کسی کا مزے کوئی اُڑائے -

(۴۴) بلبل خاں فاختہ اڑا چکے۔ — اب وہ دن گئے۔

(۴۵) جسکی نہ پھٹی ہو بوائی کیا جانے پیڑ پرائی — بے درد درد کیا جانے۔

(۴۶) باڑھ کاٹے نام تلوار — کام کسی کا اور نام کسی کا۔

(۴۷) مان مان میں تیرا مہمان۔ — خواہ مخواہ سر ہوتا۔

(۴۸) تاڑی مارا تکی کا نپا۔ — ایک نے سزا پائی دوسرے نے عبرت پکڑی

(۴۹) تانت باجی راگ پایا۔ — بات منہ سے نکلی اور نتیجہ معلوم۔

(۵۰) دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا۔ — ہرجائی کی کہیں قدر نہیں۔

(۵۱) سچی بات سعد اللہ کہیں سب کے من سے اترے ہیں — سچ کڑوا ہوتا ہے۔

(۵۲) گاڑی دیکھ پانوں پھول گئے۔ — آرام دیکھکر تکلیف سے بچے۔

(۵۳) ہنستے ہی گھر بستے ہیں۔ — شگون اچھا تو کام اچھا۔

(۵۴) جو گرجتے ہیں برستے نہیں۔ — شیخی کرنے والے سے کچھ نہیں ہوتا۔

(۵۵) جسکا کھانا اسکا گانا — جس سے فایدہ ہوتا ہے اسکی تعریف کرتے ہیں

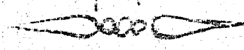
(۵۶) جس ہانڈی میں کھاؤ اسی میں چھید کرو — جس سے فیض پہونچے اسی کو تکلیف دو۔

(۵۷) پشاور کچا چاول چڑیا کی جیب ہے — لمبا اور پتلا۔

(۵۸) آٹھوں گانٹھ کمیت — چالاک شریر۔

(۵۹) بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ — اتفاقاً حسب منشا کام۔

(۶۰) ہاتھی کے ساتھ گنا ہی کھاتے ہیں — انبساط سے زیادہ جرات کرتے ہیں



اِصطلاحات

	اصطلاح	معنی
(١)	سر اُٹھانا	اترانا۔ غرور کرنا
(٢)	سر مارنا	نہایت کوشش کرنا
(٣)	سر پر اُٹھانا	نہایت شور و غل کرنا
(٤)	سر پر چڑھانا	گستاخ کر دینا۔
(٥)	سر پر ہاتھ دھر کر رونا	نہایت درجہ رنج کرنا
(٦)	سر پر چڑھ کر بولنا	خود بخود ظاہر ہو جانا
(٧)	سر مونڈنا	ٹھگنا۔
(٨)	سر سہرا ہونا۔	کسی پر دار و مدار ہونا
(٩)	سر کھانا	بک بک کرنا۔
(١٠)	سرکاری پانوں پسینہ کرنا	نہایت سخت کوشش کرنا
(١١)	آنکھیں آنا	آنکھیں دکھنے آنا
(١٢)	آنکھیں جانا	اندھا ہونا
(١٣)	آنکھیں دکھانا	دھمکانا
(١٤)	آنکھیں چُرانا	پہلو تہی کرنا
(١٥)	آنکھ لپ بوٹی کرنا	چین نصیب ہونا
(١٦)	آنکھ بھر لانا۔	آنسو بھر لانا
(١٧)	آنکھیں بدل جانا	بیمروت ہو جانا۔
(١٨)	آنکھ سامنے نہ کرنا	جھینپنا۔ شرمانا۔
(١٩)	آنکھ لڑانا	عشق کرنا۔
(٢٠)	آنکھ لگنا۔	سونا۔ عشق ہونا
(٢١)	آنکھ مارنا۔	ہنسی اُڑانا۔ حقیر سمجھنا
(٢٢)	آنکھوں میں پھرنا	یاد آنا۔ تصور بندھنا۔
(٢٣)	آنکھیں کھٹکنا۔	ناگوار گذرنا۔
(٢٤)	آنکھوں پر ٹھیکرے رکھ لینا۔	اندھا بننا۔ گُن بھلانا۔
(٢٥)	آنکھوں سے کرنا	نہایت رضا و رغبت سے کام کرنا
(٢٦)	آنکھوں سے گرانا	حقیر و ذلیل کرنا۔ رتبہ گھٹانا۔
(٢٧)	آنکھ کا پانی ڈھلنا	بیحیا بےشرم ہو جانا
(٢٨)	آنکھ کی پتلی یا آنکھ کا تارا	نہایت پیارا
(٢٩)	آنکھوں کا تیل نکالنا	دیدہ ریزی کا کام کرنا
(٣٠)	آنکھیں نکالنا	ڈرانا۔ دھمکانا
(٣١)	آنکھیں بچھانا	نہایت خوشامد و تعظیم کرنا
(٣٢)	آنکھ میں دم ہونا	قریب المرگ جاں بلب ہونا
(٣٣)	آنکھوں میں رات کاٹنا	تمام رات جاگنا۔

محاورہ	معنی
(۳۳) آنکھوں میں رکھنا	نہایت حفاظت سے رکھنا
(۳۴) آنکھیں چڑھنا	نشہ یا خمار زیادہ ہونا
(۳۵) آنکھیں کھل جانا	تنبیہ ہو جانی اصلیت کھل جانی۔
(۳۶) آنکھیں مُنڈنا	مر جانا۔
(۳۷) آنکھ دیکھنا	تربیت پانا صحبت سے بنا
(۳۸) آنکھیں سیکھنا	دیدار بازی کرنا۔
(۳۹) آنکھوں میں کھب جانا	پسند آنا
(۴۰) آنکھ نہ کھولنا	نہ جاگنا نہ سمجھنا۔
(۴۱) ناک چڑھانا	گھن کھانا نفرت کرنا۔
(۴۲) ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دینا۔	کسی کا احسانمند نہ ہونا۔
(۴۳) ناک چنے چبوانا	دق کرنا۔ ستانا
(۴۴) ناک رکھ لینا	عزت بچانا۔
(۴۵) ناک رگڑنا	خوشامد کرنا۔ عجز کرنا
(۴۶) ناک کا بال	نہایت مقرب صاحب رسوخ۔
(۴۷) ناک کاٹنا	بے عزت کرنا
(۴۸) ناک میں دم آنا	جان لب پر ہونا سخت رنج
(۴۹) ناک پر ٹھیکرا رکھ دینا	فوراً اجرت دینا۔
(۵۰) کان بجنا۔	خود بخود آواز آنی
(۵۱) کان بھرنا	کسی کی غیبت کرنا۔
(۵۲) کان پر جوں نہ چلنا	کہنا نہ ماننا بات کا اثر نہ ہونا۔
(۵۳) کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی	نہایت شور و غل ہے۔
(۵۴) کان پکڑنا	عہد کرنا کسی کو مان جانا
(۵۵) کان پر ہاتھ رکھنا	انکار ناواقفیت کرنا
(۵۶) کان کاٹنا	سبقت لیجانا
(۵۷) کان کھڑے کرنا	ہوشیار ہونا۔ چوکنا ہونا
(۵۸) کان میں پھونکنا	بہکانا۔ غور کرنا
(۵۹) کان نہ ہلانا	خاموش رہنا غریب بننا
(۶۰) کان میں تیل ڈالنا	جان کر نہ سننا
(۶۱) کان ہونا۔	نصیحت پانا عبرت پکڑنا
(۶۲) منھ اترنا	دُبلا ہونا۔
(۶۳) منھ چڑھنا	گستاخ ہونا
(۶۴) منھ آنا	منھ میں چھالے پڑنے
(۶۵) منھ پر کہنا	بالمواجہ کہنا۔ گلہ کرنا

محاورہ	معنی
(۶۶) منہ پھیرنا	کنارہ کرنا۔ نفرت کرنا
(۶۷) منہ تکنا	حیران ہو کر بھوچکا رہنا
(۶۸) منہ چڑھنا	گلہ شکایت کرنا
(۶۹) منہ توڑنا	قایل کر دینا۔
(۷۰) منہ چھپانا	شرمانا۔ لجانا۔
(۷۱) منہ دکھانا	سامنے آنا۔
(۷۲) منہ دکھائی	وہ نقدی یا زیور جو دولھن کا منہ دیکھکر دیا کرتے ہیں۔
(۷۳) منہ دھو رکھو	توقع نہ رکھو۔
(۷۴) منہ کا نوالہ	نہایت آسان سہل
(۷۵) منہ کالا کرنا	دفع ہونا بدنام ہونا
(۷۶) منہ کی کھانا۔	خفت اٹھانا قایل ہو جانا
(۷۷) منہ لگانا	التفات کرنا۔ سر چڑھانا
(۷۸) منہ میٹھا کرنا	رشوت دینا۔
(۷۹) منہ میں پانی بھر آنا	کسی مرغوب شے کا لالچ کرنا۔
(۸۰) منہ میں پانی چوانا	قریب مرگ مریض کے منہ میں قطرہ قطرہ پانی چوانا
(۸۱) منہ میں گھنگنیاں بھر جانا۔	کچھ نہ کہہ سکنا۔
(۸۲) دانت پر میل نہ ہونا	نہایت مفلس ہونا
(۸۳) دانت پیسنا	نہایت خفا ہونا
(۸۴) دانت رکھنا	نہایت خواہش کرنا تاک میں رہنا
(۸۵) دانت کھٹے کرنا	عاجز کرنا۔
(۸۶) دانت نکال دینا	شرمندہ ہونا الحاح کرنا
(۸۷) دانتوں پسینا آنا	دشوار کام سے عاجز ہونا
(۸۸) دانتوں سے پکڑنا	کسی شے کو نہایت کوشش سے بچانا یا حاصل کرنا
(۸۹) دانتوں میں انگلی دبانا	افسوس کرنا۔ متعجب ہونا
(۹۰) دانتوں میں تنکا لینا	نہایت عجز و انکسار کرنا
(۹۱) بغلی گھونسا۔ بغلی دشمن۔	پاس رہکر دشمنی کرنے والا۔
(۹۲) بغل گیر ہونا	گلے لگنا۔ ملنا
(۹۳) بغلی ڈوبنا	ایک پیچ ہے کشتی کا
(۹۴) بغلیں بجانا	خوش ہونا
(۹۵) بغلیں جھانکنا	جواب نہ بن پڑنا شرمندہ ہونا

محاورہ	معنی
(۹۶) بغلیں لینا	بغلوں کے بال مونڈنا
(۹۷) آستین کا سانپ	دشمن دوست نما
(۹۸) آستین کا سانپ پالنا	اپنے دشمن کی پرورش کرنا
(۹۹) آستین چڑھانا	آمادہ جنگ ہونا
(۱۰۰) ہاتھا پائی	دھول دھپا
(۱۰۱) ہاتھ اٹھانا	ترک کرنا
(۱۰۲) ہاتھ آنا	قابو میں آنا
(۱۰۳) ہاتھ بیٹھنا	مشق ہو جانی
(۱۰۴) ہاتھ پانو پھول جانا	خوشی یا خوف سے گھبرا جانا
(۱۰۵) ہاتھ پانو ٹوٹنا	اعضا شکنی
(۱۰۶) ہاتھ پانو مارنا	تڑپنا
(۱۰۷) ہاتھ پر ہاتھ مارنا	شرط بدنی۔ عہد کرنا
(۱۰۸) ہاتھ پکڑنا	دستگیری کرنا
(۱۰۹) ہاتھ جوڑنا	منت کرنی
(۱۱۰) ہاتھ جھاڑنا	خرچ کر دینا۔ مرک کرنا
(۱۱۱) ہاتھ چھوڑنا	ضرب لگانا۔
(۱۱۲) ہاتھ خالی جانا	وار چوکنا۔
(۱۱۳) ہاتھ خالی ہونا	کم فرصت ہونا
(۱۱۴) ہاتھ دھونا	مایوس ہو جانا۔
(۱۱۵) ہاتھ کھینچنا۔	ترک کرنا۔ باز رہنا
(۱۱۶) ہاتھ سر پر رکھنا	سرپرست مربی بننا
(۱۱۷) ہاتھ سے جانا	قابو سے نکل جانا
(۱۱۸) ہاتھ صاف کرنا	مارنا۔ قتل کرنا۔ لوٹنا
(۱۱۹) ہاتھ کاٹ لینا	نوشتہ لے لینا
(۱۲۰) ہاتھ لانا	کلمہ تحسین۔
(۱۲۱) ہاتھ ملنا	افسوس کرنا
(۱۲۲) ہاتھ ملانا	کشتی لڑنا۔ خیرات کرنا
(۱۲۳) ہتھوکے جانا	اکھڑنا
(۱۲۴) ہتھ پھیر	چالاکیاں۔ غبن
(۱۲۵) ہتھکنڈے	شعبدہ بازی۔ عیاری
(۱۲۶) ہتھے چڑھنا	قابو میں آنا۔ غارت
(۱۲۷) ہتھیلی پر سرسوں جمانا	طلسمات دکھانا۔ عیاری
(۱۲۸) ہتھیلی پر سر لئے پھرنا	سر بکف آمادہ مرگ رہنا
(۱۲۹) ہتھیلی کا پھپھولا	نہایت نازک چیز
(۱۳۰) انگشت نما	بدنام رسوا
(۱۳۱) انگلیوں پر نچانا	نہایت مطیع کرنا۔ ہنسی اڑانی۔
(۱۳۲) بائیں ہاتھ کا دانو	نہایت آسان کام

محاورہ	معنی
(۱۳۳) گلے پڑنا	بی مرضی کوئی شے سر پڑ جانی
(۱۳۴) گلے کا ہار ہونا	سر ہونا
(۱۳۵) گلے لگانا۔	ہم آغوش ہونا۔ پیار کرنا
(۱۳۶) گلا پڑنا	آواز بیٹھ جانی
(۱۳۷) گردن پر سوار ہونا	مجبور کرنا۔ زبردستی کرنا
(۱۳۸) گردن کا منکا ڈھلنا	قریب المرگ ہونا
(۱۳۹) گردن مارنا	قتل کرنا
(۱۴۰) گردن ناپنا	مارنا
(۱۴۱) پیٹ پالنا	وقت سے گذارہ کرنا
(۱۴۲) پیٹ پر پٹی باندھنا	بھوکا رہنا۔ کم کھانا
(۱۴۳) پیٹ پکڑے پھرنا	مضطرب ہونا۔ بیقرار ہونا
(۱۴۴) پیٹ پھاڑنا	جلدی کرنا۔ حرص ہوس کرنا
(۱۴۵) پیٹ چپاتی ہو جانا	مارے بھوک پیٹ اندر دھنس جانا
(۱۴۶) پیٹ کاٹنا	خوراک میں کمی کرنا
(۱۴۷) پیٹ کا کتا	بہت کھانے والا
(۱۴۸) پیٹ میں آنت نہ منہ میں دانت۔	نہایت ضعیف بوڑھا۔
(۱۴۹) پیٹ میں تاپ چڑھنا	ڈر ہونے لگنا۔ زیادہ ہنسنا
(۱۵۰) پیٹ میں داڑھی ہے	بچپن میں بوڑھوں کیسی باتیں کرتا ہے
(۱۵۱) پیٹ میں سے پانوں نکالنا	نئی نئی باتیں سیکھنا۔
(۱۵۲) پیٹھ پر ہونا	مددگار ہونا
(۱۵۳) کمر توڑنا	ہمت توڑ دینا۔
(۱۵۴) پیٹھ ٹھونکنا	آفرین کرنا شاباش دینا
(۱۵۵) پیٹھ چارپائی سے لگ گئی	صاحب فراش ہوگئے۔
(۱۵۶) پیٹھ دکھانا	بھاگ جانا
(۱۵۷) پیٹھ پیچھے	غیبت میں۔
(۱۵۸) چھاتی پر پتھر رکھنا	جبر و صبر کرنا
(۱۵۹) چھاتی پر مونگ دلنا۔	ستانا۔ جلانا
(۱۶۰) چھاتی کا پتھر	غم اندوہ و صدمہ
(۱۶۱) کلیجہ پکنا	دکھی ہونا۔ رنج اٹھانا
(۱۶۲) کلیجہ منہ کو آنا	نہایت اضطراب دم بہ لب
(۱۶۳) کلیجہ پر گھونسہ لگنا	دل پر چوٹ لگنی۔ صدمہ پہنچنا

محاورہ	معنی
(۱۶۴) کلیجہ کا ٹکڑا	نورِ چشم۔ پیارا۔ لاڈلا
(۱۶۵) کلیجہ میں ہاتھ ڈالنا۔	سخت بیرحمی کرنی دکھ دینا
(۱۶۶) کلیجہ کھرچنا۔	شدید بھوک لگنا
(۱۶۷) نعمت کی ہاکا کلیجہ	نایاب انوکھی نرالی چیز
(۱۶۸) جی اُڑا جانا	پریشان ہونا
(۱۶۹) جی اُکتانا	جی اُچٹ جانا
(۱۷۰) جی اُلٹ جانا	پاگل ہوجانا
(۱۷۱) جی اوپر تلے ہونا	جی متلانا قے کرنا
(۱۷۲) جی بُرا کرنا	
(۱۷۳) جی بیٹھ جانا	نہایت صدمہ ہونا ہمت پست ہونی
(۱۷۴) جی بھر آنا	رونا آجانا دل امنڈ آنا رونا
(۱۷۵) جی خالی کرنا	
(۱۷۶) جی بھر جانا یا پھر جانا۔	سیر ہونا چھک جانا۔
(۱۷۷) جی پر کھیلنا	خودکشی کرنا۔ مہلک کام پورا کرنا۔

محاورہ	معنی
(۱۷۸) جی چُرانا	بچنا۔ پہلوتہی کرنا۔
(۱۷۹) جی چھوٹنا	ہمت ہارنا
(۱۸۰) جی ڈوبنا	ضعف و ناطاقت
(۱۹۱) جی سے اتر جانا	پہلے سی قدر و منزلت نہ رہنی
(۱۸۲) جی سے جانا	مرنا
(۱۸۳) جی کرنا۔	ہمت و جرأت کرنا
(۱۸۴) جی کو لگنا	کسی چیز کا پورا پورا اثر ہونا۔
(۱۸۵) جی لوٹنا۔	مائل ہونا اشتیاق ہونا۔
(۱۸۶) جی میں پھرنا	تصور بندھا رہنا
(۱۸۷) جی میں جی آنا	طبیعت چونچال ہونی
(۱۸۸) جی نکلنا	مرنا۔ عاشق ہونا
(۱۸۹) جی دینا۔	مرنا۔ فریفتہ ہونا
(۱۹۰) جی لینا۔	انتشار معلوم کرنا۔ دق کرنا۔
(۱۹۱) جی ہی جلتا ہے	نہایت درجہ کا رنج ہے
(۱۹۲) جی میں رکھنا	پوشیدہ رکھنا۔ چھپانا

(۱۹۳) جی رکھنا	آرزو پوری کر دینا۔
(۱۹۴) جی کٹنا۔	ترس آنا۔ رحم کرنا
(۱۹۵) دل آنا	عاشق ہو جانا۔ فریفتہ ہونا
(۱۹۶) دل بجھنا۔	امنگ جاتی رہنی۔
(۱۹۷) دل بڑھانا	ہمت باندھنا۔
(۱۹۸) دل پکڑ جانا	شبہ پڑنا۔ خطرہ ہونا
(۱۹۹) دل پھٹ جانا	بیزار ہونا۔
(۲۰۰) دل توڑنا	رنج دینا۔ صدمہ پہنچانا۔
(۲۰۱) دل لگی	ہنسی مذاق۔
(۲۰۲) دل سرد ہونا	بیزار ہونا۔ مایوس ہونا
(۲۰۳) دل ملنا۔	محبت ہونی۔
(۲۰۴) دلمیں گھر کرنا	محبت پیدا کرنی اپنا کرنا۔
(۲۰۵) دل کے پھپھولے پھوڑنا	آرزو پوری کرنی۔ بھڑاس نکالنی۔
(۲۰۶) دل ہاتھ میں لینا۔	تسلی تشفی کرنی۔ موہنا
(۲۰۷) دم بند کر دینا	لاجواب کرنا
(۲۰۸) دم چرانا	مردہ سا بن جانا۔
(۲۰۹) دم توڑنا	نزع۔ لمبے لمبے سانس لینا۔
(۲۱۰) دم خفا ہونا	جی گھبرانا دم رکنا
(۲۱۱) دم دینا	مرنا۔ فریب دینا عاشق ہونا۔
(۲۱۲) دم کو لیکر بیٹھ رہنا	گھنّی سادھنا۔ کچھ نہ بن پڑنا
(۲۱۳) دم کرنا	کچھ پڑھکر پھونکنا
(۲۱۴) دم لینا	ستانا۔ ٹھہرنا
(۲۱۵) دم مارنا	سانس لینا۔ شیخی کرنا۔
(۲۱۶) دم میں آنا	دھوکا کھانا
(۲۱۷) دم نکلنا۔	عاشق ہونا۔ مرنا
(۲۱۸) دم بھر۔	ایک لحظہ۔
(۲۱۹) دمادم	تنہا۔
(۲۲۰) دمدمہ	خاک کا ڈھیر ظہدا
(۲۲۱) دل میں دل ڈالنا۔	اپنا کر لینا۔ دل کے تابع ہونا۔
(۲۲۲) دل باغ باغ ہونا	نہایت خوش ہونا

محاورہ	معنی
(۲۲۳) دم بھرنا	تھک جانا۔ دعوے کرنا۔
(۲۲۴) جی پر بن جانا	قریب المرگ ہوجانا سخت مصیبت میں پھنسنا
(۲۲۵) پتّا ماری کا کام	نہایت توجہ اور محنت کا کام۔
(۲۲۶) دل گُردے کا	بہادر اور جفاکش
(۲۲۷) پانو نکالنا	نئی نئی باتیں کرنا بدچلنی۔
(۲۲۸) پانو پڑنا۔	خوشامد کرنا۔
(۲۲۹) پانو پھیلانا	مچل جانا۔ آزاو ہونا
(۲۳۰) پانو پیٹنا	تڑپنا۔ مضطرب ہونا
(۲۳۱) پانو تلے کی زمین نکلنا۔	بولانا۔ گھبرانا۔ ڈرنا مصیبت۔
(۲۳۲) پانو خاک ہونا	نہایت عاجز اور خاکسار بن جانا
(۲۳۳) زمین پر پانو نہ رکھنا	اترانا
(۲۳۴) پانو سو جانا	پانو کا بے حس و حرکت ہوجانا۔
(۲۳۵) پانو کی جوتی	نہایت ذلیل و حقیر چیز۔
(۲۳۶) پانو مرید	معتقد۔ مطیع و فرمان بردار
(۲۳۷) پانو میں چکر ہونا	آوارہ پھرنا۔
(۲۳۸) کسی سے پانو نہ دھلوانا۔	نہایت حقیر اور ذلیل سمجھنا۔
(۲۳۹) بھٹی میں پانو دینا	دخل در معقولات
(۲۴۰) قدم کو ہاتھ لگانا	خوشامد کرنا
(۲۴۱) سبز قدم	منحوس
(۲۴۲) خون کا جوش۔	اپنا پیٹ۔ محبت قرابت۔
(۲۴۳) خون سفید ہونا	بے مہری۔ بے مروت ہوجانا۔
(۲۴۴) خون سوکھنا	ڈرنا
(۲۴۵) خون کا پیاسا	جانی دشمن
(۲۴۶) خون ہونا	مارا جانا۔ نہایت رنج

(۲۴۷) خون پانی ایک کرنا۔	محنت شاقہ کرنا	آگ لینے آنا	جلدی سے چلے جانا
(۲۴۸) خون کے سے گھونٹ پینا۔	برداشت کرنا ضبط کرنا۔	کسی کی آگ میں پڑنا	کسی کا مصیبت میں شریک ہونا۔
(۲۴۹) لہو لگا کے شہیدوں میں ملنا۔	کسی کام میں فی الاسا دخل دیکر پورا حقدار بن جانا	آگ ہو جانا۔	نہایت گرم۔ سرخ انگارا
(۲۵۰) لہو ہلکا ہونا	نازک صدمہ کی برداشت نہ کرسکنا	آگے آنا	آڑے آنا۔ جیسا کرنا ویسا پانا۔
		آگ	تپش۔ بھڑک محبت
خون رونا۔	نہایت گریہ وزاری کرنی۔	آگ کے مول	نہایت گراں
		پانی بجھانا۔	لوہا تانبا سونا چاندی اینٹ وغیرہ گرم کرکے پانی میں بجھانا۔
آگ ہونا	ٹھنڈا ہو جانا بھڑک اٹھنا		
انگاروں پر لوٹنا	تڑپنا۔ بے چین ہونا		
	حسد کرنا۔ جلنا	پانی پھرنا	تباہ برباد ہونا کسی قدر موٹا ہونا۔
آگ پڑنا	مہنگا ہونا۔		
آگ کا پتلا۔	تیز مزاج۔ غصیلا حار طبع۔	پانی بھرنا۔	شرمندہ ہونا نادم ہونا
		کچے گھڑے پانی بھرنا	از حد اطاعت کرنا
آگ لگانا	غیبت کرنا۔ لڑائی بڑھانا۔		
		پانی پانی ہونا	شرمندہ ہونا
آگ لگاؤ	ترک کرو۔	پانی سے بیٹھا	صبر کرنا

محاورہ	معنی	محاورہ	معنی
پانی پی پی کر دعا دینا	ہر وقت	خاک ڈالنا	رفع دفع کرنا۔
یا کوسنا		خاک کا پیوند ہونا	مرجانا
پانی کے مول	نہایت ارزان	خاک میں ملانا	ملیا میٹ کرنا۔
پانی پڑنا	نادم خجل ہونا	ہوا اڑانا	بات کھلنا بھرم جانا
پانی کا بُلبلا	بے ثبات	ہوا باندھنا	شیخی مارنا
پانی مرنا	جھینپا آثار ندامت	ہوا بدلنا	حالت پلٹ جانا
پانی میں آگ لگانا	انوکھی نرالی بات کرنا	ہوا بگڑ جانا	ہوائیں ہونا زمانہ بدل جانا
پانی نہ مانگا۔	جھٹ پٹ ہو جانا مرجانا	ہوا اندھنا	عروج فروغ پانا شہرت
آب کرنا۔ دینا	جلد کرنا صیقل کرنا	ہوا کے گھوڑے پر سوار ہونا	متکبر نخوت کرنا
خاکا اڑانا	کسیکو بدنام کرنا		جلدی کرنا
خاکا	کچا نقشہ	ہوا	حالت بہت ہلکا
خاک اڑاتے پھرنا	بدہوائی۔ آوارہ گردی	ہوا سے لڑنا	نہایت لڑنا
		ہوا کھانا	چہل قدمی کرنا
خاک اڑانا	بربادی تباہی	ہوا کھاؤ	چل دو رخصت دفع۔
خاک چاٹنا	عجز وانکسار ظاہر کرنا	ہوا ہونا	چل دینا۔ فوراً چلا جانا
خاک پھونکنا	تضیع اوقات کرنا		
خاک چھاننا	آوارہ پھرنا	ہوائی اڑانا	شہرت بے اصل

ہوائیاں اڑانا	ششدر حیران ہونا
دم ہوا ہونا	خوف کھانا ڈرنا
ہوا پھانکنا	کچھ نہ کھانا کم کھانا
پھول	سوم۔ تیجہ
پھول پان	وہاں پان نازک
پھول کھلنا	شادی ہونا
پھول سونگھنا یا سونگھ کر رہنا	بہت کم کھانا
پھول نہیں پنکھڑی سہی	بہت نہیں تھوڑا سہی
پھلنا پھولنا	بہت اولاد ہونا
گل کھانا	داغ کھانا۔ رنجیدہ ہونا
نیا گل کھلنا	عجب واقعہ پیش آنا
گل چلا	قدر انداز
گل کھلانا	فتنہ اوٹھانا فساد پھیلانا
چراغ گل ہونا	تباہ ویران ہونا
گل کترنا	طلسمات۔ میٹھی میٹھی باتیں کرنا۔

گلے کا ہار ہونا	سر ہو جانا
پھول پڑنا	آگ لگنا
سبز باغ دیکھنا	طلسمات مکاریاں عیاری
لوہا برسنا	کشت و خون ہونا
لوہا یا چھری تیز ہونا	ظلم کرنا۔ زبردستی
لوہا ماننا	کسیکا قایل ہونا۔ مان جانا
لوہے کے چنے چبانا	محنت شاقہ اٹھانا
نوک زبان	ازبر۔ حفظ
چوٹی کا	اوّل درجہ۔ سب میں عمدہ
کافور ہو جانا	غایب ہو جانا۔ اڑ جانا
مرنا	عاشق ہونا
کٹنا	جھینپ جانا
دبنا	مجبور ہونا
دبانا	بجبر راضی کرنا

جلنا	رشک کھانا	ٹھونکنا	مارنا
تپانا	بھرمانا	پوچھنا	عزت کرنا
بگڑنا	خفا ہونا	مرکنا	رنجیدہ ہونا
لوٹنا	پھر جانا	مونڈنا	ٹھگنا مرید کرنا
پھرنا	برگشتہ ہونا		
لگانا بچھانا	غیبت کرنا		
چکرانا	حیران و ششدر ہونا		
کنیانا	جھپکنا		
الجھنا	تکرار کرنا۔ حجت کرنا ۔ اڑنا		
کھٹکنا	کشیدہ ہو جانا		
کھینچنا	پرہیز کرنا		
اٹھانا	سہنا خرچ کرنا		
پی جانا	ٹلا دینا		
اکڑنا	غرور کرنا		
ابھارنا	شئے دینا۔ آمادہ کرنا		
پسیجنا	نرم ہونا راضی سا ہو جانا۔		

فقرے

۱۔ آج کل دریاؤں میں خوب موج آ رہی ہے
۲۔ اُتار چڑھاؤ کی باتیں چھوڑ دو
۳۔ دل لگانا دل لگی نہیں
۴۔ اُن کے آنے پر نہ جانا بڑے خود غرض ہیں۔
۵۔ جتنی پہلے گاڑھی چھنتی تھی۔ اُتنی ہی اب چھن گئی۔
۶۔ اِس زمانہ میں آبرو پانی مشکل ہے
۷۔ غالب یا مومن کا کلام ذوق و شوق کے ساتھ دیکھتے ہوں گے۔
۸۔ پہلے وہ سودا کے دیوانے تھے اب میر پر مرتے ہیں۔
۹۔ لڑکے لڑکے ٹکڑے کیے دیتے ہیں۔
۱۰۔ اِن کی خوبی کلام میں کسکو کلام ہے
۱۱۔ مینہ برس گیا نہیں تو کھیتوں پر پانی پھر گیا تھا۔
۱۲۔ پرسوں پرسوں چلتے پرسوں اچھا نہ تھا
۱۳۔ تمہارا پاس نہ ہو تو یہ کام اُن سے کیا دور ہے۔
۱۴۔ تمہارے کہنے سے باہر نہ تھے تو کیوں جامہ سے باہر ہو گئے۔
۱۵۔ جن بھولے بھالوں نے تلواریں مار کر رات کاٹی تھی اُن کو کسی نے نہ پوچھا
۱۶۔ گھڑی کو گھڑی گھڑی دیکھتے رہنا مجھے کھٹکا ہے بند نہ ہو جائے۔
۱۷۔ شایق طلبا کو اتوار سنیچر ہوتا ہے اور بدشوقوں کو ہفتہ قیامت
۱۸۔ اِن نائیوں کے دل میں بال برابر عظمت نہیں ہاں بیاہ شادی میں مونڈنے کو طیار ہیں۔

۱۹ مینھ کا آنا اندھیرے سے روشن ہے

۲۰ میدان ورزش میں مٹی ڈلوائی گئی تھی۔ مگر مینھ نے ساری محنت پر پانی پھیر دیا اور مٹی خاک میں ملا کر بچوں کا مزا مٹی کر دیا۔

۲۱ تمہارا گل کھلانا ضرور تمہیں گل کھلائیگا۔

۲۲ اس کسی نے ایک ایسی سے لی کہ سب مجنوں ہو گئے۔

۲۳ گوشے کے واسطے تال سے جانا سم ہے۔

۲۴ ملتان کی رونق میں کلام نہیں مگر آندھیوں نے شہر کی خاک اڑا رکھی ہے

۲۵ آگ سرکشی سے لکڑیاں کھاتی ہے اور خاک اپنی خاکساری سے ہو لئے تخت پر مزے اڑاتی پھرتی ہے۔

۲۶ وہ بھڑک اٹھے تھے مگر لوگوں کی چھینٹوں سے ٹھنڈے ہو گئے۔

۲۷ اچھی بے پر کی اڑائی۔

۲۸ دنیا کے دام میں سب آجاتے ہیں مگر دانا نہیں آتا۔

۲۹ قلم کو ہاتھ لگایا تو ہاتھ قلم کر دیے جائینگے

۳۰ لڑکے یاد کر نہیں یاد رکھ یاد کرے گا

۳۱ کسی کی طرف نہ دیکھو سوال نکالے جاؤ نہیں نکالے جاؤ گے۔

۳۲ شریر پر قیدی لازمی ہے۔

۳۳ افسوس بیچارے نے بہتیرا سر پٹیا مگر تمہارے کان پر جوں نہ چلی۔

۳۴ دو چار دن سے سردی گرمی دکھانے لگی ہے۔

۳۵ کیسے جا جم جا جم۔

۳۶ جو کچھ آپ کی گھڑی میں بجا ہے بجا ہے

۳۷ گلستان کو حرفاً حرفاً دیکھو تو ہر فن کی باتیں موجود ہیں۔

۳۸ اس عمارت میں شان امارت ہے

۳۹ بہادر شاہ کا خزانہ حمام کا خزانہ تھا

۴۰ اسوقت کابل میں کامران کامران ہے

۴۱ فلک سپر نے دن کو تارے دکھائے

۴۲ آئے مشفق آپ کے انتظار میں تو آنکھوں کے ڈھیلے پتھر گئے۔

۴۳ بادامی ہیں سیتی گوٹ خوب پھبتی ہے۔

۴۴ آموں کی مٹھاس سے دانت کھٹے ہو گئے۔

۴۵ مینہ کا یہی تار بندھا رہا تو زخم تک اچھے ہو جائینگے۔

۴۶ آپ سے تانگا مانگا تھا کہ مانگے تانگے میں کام چل جائیگا۔ مگر میرا یہ جاننا انجانی (نادانی) تھی۔

۴۷ لکھنؤ کا فتنہ مشہور ہے۔

۴۸ شبنم کے سارے کپڑوں پر اوس پڑ گئی۔

۴۹ چشموں سے کنارہ کرنا ڈوبنا ہے

۵۰ تمہاری خام خیالیوں سے میرا تو جی پک گیا۔

۵۱ دام دیگر سودا خریدنا سودائیوں کا کام ہے۔

۵۲ ایسی آنکھیں دیکھیں نہ ایسے کان سُنے

۵۳ ہونٹوں میں بھی آن بات نکلتی ہے

۵۴ علامہ مصری کی جو بات تھی نبات کی ڈلی۔

۵۵ اُن کی شیریں زبانی سے اچھے اچھوں کے لب بند ہو گئے۔

۵۶ ہندی تلوار کا اصفہان تک لوہا مان گیا تھا۔

۵۷ ہوا خواہوں نے بھی ایسی ہوائیاں اُڑائیں کہ نواب صاحب کے مُنہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

۵۸ گاڑی بان نے بہتیرا سر گاڑی پاؤں پیہ کیا مگر گاڑی وہاں سے نہ ہل سکی

۵۹ انہوں نے جو طوطے کے سی آنکھیں بدلیں ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے

۶۰ پیٹ بھرتے ہی پیٹ میں سے پاؤں نکالے۔

۶۱ اُس کے باپ کے پھول نہ ہوتے تو آج ہی پھول کھل جاتے۔

۶۲ محمود غزنوی ہزاروں گل چلیوں سمیت چلیوں کا ٹڈی دل لئے آندھی کی طرح اٹھا اور معبدوں کو توڑتا مندروں کا چراغ گل کرتا چلا گیا۔

۶۳ نہ نائی چوٹی کے بال کترتا ہے

۶۴ اس وبا نے لاکھوں گھر اُوجھڑ گھرانے تباہ کر دیے۔

۶۵ تلوار کی آنچ سے لاکھوں لاکھ کے گھر خاک ہو گئے۔

۶۶ کیسی تیز ہوا ہے جی اُڑا جاتا ہے

۶۷ آسمان قدر صبح سے کئی بار زمین دیکھ چکے ہیں۔

۶۸ بیٹے کو جو صدمہ پہنچا باپ کی کمر ٹوٹ گئی۔

۶۹ اُن کو تو چار تک پاؤں کی جوتی سمجھتے ہیں۔

۷۰ دیکھا سبز قدم نے کیسے سبز باغ دکھائے ہیں۔

۷۱ دکھائی شدوگی تو کیا منہ دکھاؤ گے

۷۲ اس حجام نے جس کی حجامت بنائی اُسی کا سر مونڈا۔

۷۳ بنئے نہ بنئے جی کیجے۔

۷۴ باغبان نے وہ سبز باغ دکھائے کہ باغ بھی نہ دیکھ سکے۔

۷۵ آدمی دم کا دمدمہ ہے

۷۶ دلی میں پانی بھی آگ کے مول بکتا ہے

۷۷ نام سے کام نہیں چلتا۔ کام سے نام چلتا ہے۔

۷۸ ہتھیلی پر سرسوں نہ جماؤ یہ کام کھیا کا تیل نکالنے آتا ہے۔

۷۹ یہ پتلی میری آنکھ کی پتلی ہے۔

۸۰ وہ تصویر تصویر ہے۔

۸۱ برات کا نوشہ کے سر سہرا ہوتا ہے

۸۲ میں نور الابصار کو آنکھوں میں رکھتا ہوں۔

۸۳ اس پنہاری نے ناک چنے چبوا دیے۔

۸۴ بچوں کو سر نہ چڑھاؤ نہیں سر پر

ہاتھ دھو کر رہ گئے -

۸۵ آنکھ کی سپیدی و سیاہی دن رات

لیل و نہار کو آنکھیں دکھاتی تھی -

۸۶ ناتوان ہیں مجھ ناتوان کو نہیں دیکھ سکتے

۸۷ دیکھئے ہم چشموں کی چشم پوشی کیا دکھاتی

ہے -

۸۸ انگلوں کی طرح انکا آنا اچھا نہ جانا

۸۹ نالہ کی گرمی سے داغ عشاق

سرد تھا -

۹۰ گلے میں ہار دھکر بالی گلے کا

ہار ہو گیا -

۹۱ کل چاندنی سے چاند داغ کھاتا ہی

۹۲ انکا ہر شعر شعری شعار ہر نثر نثرہ

نثار ہے -

۹۳ سیب کے کارن آنبس گلے میں آ گئیں -

۹۴ اظہر من الشمس ہے کہ یہ باتیں الم نشرح

ہوں گی -

۹۵ گھنیر و پھول دیکھتے ہی رشتہ مخطی گئے

۹۶ اس خط سے آپ کا لفافہ کھل گیا

۹۷ دیکھتا کیا ہوں ایک ہڈیوں

کی مالا گھٹنوں پر سر رکھے مالا جپ

رہی ہے -

۹۸ آپ کے خیال میں نیند خواب

و خیال ہو گئی ہے -

۹۹ جاڑوں میں سورج عید کا چاند

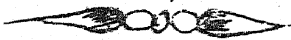
بن جاتا ہے -

۱۰۰ خدا کی طاعت خداوند کی اطاعت

فرض ہے -

۱۰۱ تمھارا خط خیریت پہنچا - شکریہ

تم خیریت سے پہنچ گئے - شکر +



ضمیمہ

شعر کے حل کرنے کا قاعدہ نہیں لکھ سکتا۔ تشبیہ ضرب الامثال کی واقفیت اصطلاح و استعارہ پر قدرت ہونی چاہئے۔ اِن میں استعارہ محدود نہیں باقی تین باتیں اس کتاب میں موجود ہیں اُن کو یاد کرو۔ رہا ذہن کا آشنا ہونا۔ اِن کے بعد کلام اساتذہ پر تھوڑا سا عبور ہو۔ تو طبیعت راہ پا جاتی ہے۔

شعر کا مطلب لکھنے اور اُسکی صحت و صفائی کو عموماً اُس ترتیب کا خیال رکھنا مفید ہوگا

(۱) شعر

(۲) نثر شعر

(۳) محاورہ

(۴) (شعر تلمیح طلب ہو تو) قصہ ورنہ تشریح طلب امر کی شرح

(۵) مطلب۔

(۶) خوبی۔

ذوق

(۱) سگِ دنیا پس از مُردن بھی دامنگیرِ دنیا ہو — کہ اُس کُتے کی مٹی سے بھی کتا گھانس پیدا ہو

(۲) سگِ دنیا مُوے پر بھی دامنگیر دنیا ہوتا ہے۔ اِس کُتے کی مٹی سے بھی کتا گھانس پیدا ہوتی ہے۔

(۳) سگِ دنیا — طالب سیم و زر

(۴) دامنگیر دنیا — دنیا کا خواہاں

کتا گھانس — مشہور ہے۔ ایک گھانس کا نام ہے جو کپڑوں میں لپٹ جاتی ہے

(۴) جو دنیا کا کتا ہوتا ہے اسکے دل سے دنیا کی طلب کبھی نہیں جاتی - مرنے کے بعد اسکی مٹی سے بھی کتا گھاس اُگتی ہے - جو دنیا (اہل عالم) کی دامنگیر ہے -

(۵) سگ دنیا الدنیا جیفۃ وطالبہا کلاب طلب دنیا کا مبالغہ بھیڑ اسکا ثبوت نہایت مطبوع ہے -

سوز

دعوے کیا تھا گل نے اُس رخ سے رنگ و بو کا — ماریں صبا نے دھولیں شبنم نے منہ پہ تھوکا

(نثر) گل نے اُس کے رخ سے رنگ و بو کا دعوے کیا تھا - صبا نے دھولیں ماریں اور شبنم نے منہ پہ تھوکا -

(تشریح) - گل (پھول) کو معشوق کے رخسارے سے تشبیہ ہے -

شبنم — اوس

(مطلب) میرا معشوق ایسا حسین ہے کہ پھول نے اُس کے رخسارہ سے رنگ و بو کا دعوے کیا تھا تو صبا نے دھولیں ماریں اور شبنم نے منہ پہ تھوکا گویا میرا معشوق میرے ہی نزدیک خوبصورت نہیں ہے اور اُسپر میں ہی بلا وجہ عاشق نہیں ہوں بلکہ صبا و شبنم بھی کسی کو اُسکی برابری کے لائق نہیں جانتے - اُن کو بھی اُسکی ہمسری ناگوار ہے -

(خوبی) صبا کا دھولیں مارنا شبنم کا تھوکنا صنعت حسن التعلیل ہے -

قلق

تمہاری سرد مہری سے میں ہر محفل میں رسوا ہوں — نگاہ گرم بن جاتی ہے آنسو دیدۂ تر میں

(نثر) میں ہر محفل میں تیری سرد مہری سے رسوا ہوں - دیدۂ تر میں نگاہ گرم آنسو بن جاتی ہے -

(محاورے) سرد مہری — دشمنی

نگاہ گرم　　　　نظر حسرت نگاہ شوق ۔

(تشریح) قاعدہ ہے جب بخار یا حار جسم پر برودت اثر کرتی ہے پانی پیدا ہو جاتا ہے
(مطلب) میں اپنی بیتابی و بے احتیاطی سے رسوا نہیں ہوں ۔ اسکے باعث
آپ ہیں ۔ میری نگاہ گرم آپ کی سرد مہری سے آنسو بن جاتی ہے اس سے راز
فاش ہوتا ہے ۔ آپ سرد مہری نہ کریں تو نہ میری آنکھوں میں آنسو
آئیں ۔ نہ میں رسوا ہوں نہ آپ بےمہر ٹھیریں ۔
(خوبی) اپنے مخاطب کو سرد مہر آپ کو رسوا آنسوؤں سے ان دونوں کا ثبوت ۔ یہ
مسئلہ حکمت کا لطف کمال شاعری ہے ۔

ذوق

نعل شکل مہ نو جب تیرے توسن کو لگے　　　　چار چاند اور فلک پر مہ روشن کو لگے

(۱) جب شکل مہ نو نعل تیرے توسن کو لگے مہ روشن کو فلک پر اور چار چاند
لگے ۔

(محاورے)

(۲) توسن　　　　گھوڑا

شکل مہ نو　　　　ہلالی

چار چاند لگنا　　　　ترقی پانا ۔ مفتخر ہونا ۔ خوبی بڑھنا ۔

(۳) شاعر معشوق کو چاند سے تشبیہ دیتے ہیں ۔ مہ جبیں ۔ مہوش ۔ ماہرو
ماہ پیکر کہتے ہیں
(۴) تجھے چاند سے کچھ نسبت نہیں ۔ تجھ میں اسمیں زمین آسمان کا فرق
ہے ۔ تو وہ حسین ہے ۔ تیرے گھوڑے کی نعل ہلالی ہو تبھی چاند کو چار چاند لگ
گئے اسکو فخر ہے کہ میں ایسے صاحب جمال کے نعل شدید تر سے مشابہت کی نسبت

(۵) معشوق کے حسن کا حسن غازہ اور چار چاند لگنے کا لطف روشن ہے

ذوق نحوست بھی سعادت ہو گئی سودے میں زلفوں کے گلیم تیرہ بختی سر پہ ہم ظلِ ہما سمجھے

(۱) زلفوں کے سودے میں نحوست بھی سعادت ہو گئی۔ ہم گلیم تیرہ بختی سر پر ظلِ ہما سمجھے

(۲) نحوست (دلدّر) طالع کا برا اثر۔

سعادت ضدِ نحوست

سودا دیوانگی۔ نام مرض۔ نام خلط۔ خواہش

گلیم کمبل

تیرہ بختی بد نصیبی

ظل سایہ

ہما۔ نام جانور سفید رنگ۔ معروف الاسم مجہول الجسم

(۳) زلفوں کے عشق میں ہم نحوست بھی سعادت سمجھتے ہیں۔ ہماری گلیم تیرہ بختی سایہ ہما ہے۔ گویا یہ نحوست بادشاہت ہے۔

(۴) سودا۔ گلیم۔ زلف۔ تیرہ۔ ظل۔ الفاظ مناسب ہیں۔ **ذوق**

کس سے تدبیر درستی ہو ہماری جون زلف کہ شکستوں سے بنایا ہے سراپا ہمکو

(۱) ہماری تدبیر درستی کیونکر ہو سکتی ہے۔ کہ جون زلف سراپا شکستوں سے ہمکو بنایا ہے

(۲) جون زلف۔ زلف کی طرح (جوں حرف تشبیہ متروک)

(۳) سراپا بالکل۔ مطلق۔

(۴) شکست و شکن فارسی محاورہ میں خم (بل) کو کہتے ہیں۔ چنانچہ زلف شکستن زلف میں بل دینا۔ اور کلاہ شکستن۔ بانکی ٹوپی رکھنا۔

غالب شکستن با خدا ہم بے اندازہ درستمت کن — وے از ما وعہد و طرّہ و طرف کلاہ از وے

(۴) ہماری درستی کی کوئی کیا تدبیر کرے ہمکو خدا نے زلف کی طرح شکستہ بنایا ہے جسطرح زلف کے واسطے شکن لازمی ہے ہمارے واسطے شکستگی ہے۔ اسکی تدبیر سفید پڑنی محال ہے۔

(۵) چونکہ جسم انسان جوارح و اعضا سے مرکب ہے۔ اسلیے نادرستی کا دعوے درست ہے۔ اور شکستگی کا ثبوت قوی۔ شکست۔ سراپا۔ زلف الفاظ مناسب ہیں۔

مومن

(۱) لذت جور کشی نے مجھے شرمندہ کیا — طعنے کیا کیا اُسے ارباب ستم دیتے ہیں

(۲) ارباب ستم اُسے کیا کیا طعنے دیتے ہیں مجھے لذت جور کشی نے شرمندہ کیا۔

(۳) ارباب ستم — معشوق۔

لذت — مزہ

جور کشی — ظلم سہنا

(۴) جور و بیداد زیب حسن اور نالہ و فریاد حسن عشق سمجھا گیا ہے۔

(۵) مجھے تو کمال وفا سے اُسکے جور میں مزا آنے لگا۔ کثرت بیداد سے جفا کا عادی ہوگیا۔ اب ستم ستم ہی نہیں لگتا جو نالہ و فریاد کروں۔ وہاں اُسکے ہم جنس اُسے طعنے دیتے ہیں۔ کہ ظلم و ستم آن معشوق ہے۔ جور و جفا شان محبوب ہے تم حسن کا دم نہ بھرو۔ تمھارے عاشق آہیں نہیں بھرتے۔ تمہیں ستانا نہیں آتا تم پر دم دینے والے دم دیتے ہیں معشوق ہم ہیں کہ ہمپر مرنے والے مرتے ہیں نالہ و فریاد کرتے ہیں۔ افسوس! میری لذت جور کشی نے اُسے رنج پہنچایا۔ اب

کس منھ سے محبت کا دعوے کروں۔ شرمندہ ہوں ٭

(۶) اپنی محبت شرمندگی کے پردہ میں ظاہر کی ہے۔ اور کثرت ظلم کا مبالغہ لطیف پیرایہ میں ہے۔

مومن

(۱) ہے سوز گریہ آگے تیرے آب و تاب کے　　پانی بھرے ہے جلوۂ آتش فشان شمع

(۲) اے سوز گریہ تیری آب و تاب کے آگے۔ جلوۂ آتش فشان شمع پانی بھرے ہے

(۳) سوز	جلن
گریہ	رونا
آب و تاب	چمک دمک
آتش فشان	آگ برسانے والا۔ شرربار

(۴) پانی بھرنا بے وقعت ہونا۔ پانی بھرے ہے بے وقعت ہے "اب پانی بھرتا ہے" بولتے ہیں۔

(۵) اے سوز گریہ تیری چمک دمک کے آگے شمع کے آتش فشان جلوہ کی کچھ حقیقت نہیں۔ تو اُس سے کہیں بڑھکر ہے۔

(۶) سوز۔ تاب۔ آتش۔ شمع۔ اور گریہ۔ آب۔ پانی بھرے ہے مناسب الفاظ میں اپنی محبت کا مبالغہ کیا ہے۔

مومن

(۱) اتبک یہ سوز دل ہے کہ بعد مزار پر　　مایل ہوا زمین کی جانب دخان شمع

(۲) بعد مزار پر دخان شمع زمین کی طرف مایل ہوا۔ اتبک یہ سوز دل ہے۔

(۳) مزار	قبر
دخان	دھواں

(۴) نرگس (طبعیات) کا مسئلہ ہے کہ ہر شے اپنی جنس یا مادہ کی طرف مضاف ہوتی ہے۔ اور کشش کا غلبہ اجسام حارہ و حارّہ کی کمی بیشی پر ہے۔ اسی کے موافق ایک اُمّی ریفارمر حکیم عرب کا قول ہے کُلُّ شیءٍ یرجع الیٰ اصلہٖ (ہر شے اپنے اصل مادہ) کی طرف رجوع کرتی ہے۔ علیٰ ہٰذا الجنس الی الجنس)

(۵) مرنے پر بھی محبت کا اثر نگیا۔ اب تک یہ سوزِ دل ہے کہ قبر کی زمین کرۂ نار سے بڑھکر ہے۔ چنانچہ شمع مزار کا دھواں (بداہت کے خلاف) آسمان کی طرف نہیں جاتا۔ جو جسم اسکو کھینچتا ہے اُسکا اثر اسپر غالب ہے۔ اسلئے زمین کی طرف مایل ہے۔

(۶) اسقدر نیچر کے خلاف !! اسقدر فلسفہ سے تعلق !! عجیب پیرایہ ہے

(۱) عرق آلود دہن دیکھ کے گلرو تیرا پڑ گئے لاکھوں ہی غنچہ پہ گھڑے پانی کے ظفر

(۲) گلرو! تیرا عرق آلودہ دہن دیکھکر غنچہ پر لاکھوں ہی گھڑے پانی کے پڑ گئے۔

(۳) گلرو (پھول سے چہرہ والا) معشوق

عرق پسینا

غنچہ کلی۔

پانی کے گھڑے پڑنا۔ شرمندہ ہونا

(۴) دہن کو غنچہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔

(۵) میرے گلرو! تیرے منھ کے پسینے سے غنچہ پر اوس پڑگئی۔ وہ شرم سے پانی پانی ہوگیا۔ اسکا کیا منہ جو تیرے منھ سے ہم سخنی کرسکے۔ تیرے عرق آلود دہن نے غرق عرق کر دیا۔ کیسی ہمچشمی؟ دیکھتے ہی لاکھوں گھڑے پانی کے

پڑ گئے۔ اے بحرِ حسن! تیرے آگے آبرو پانی مشکل ہے۔ تو گوہر کیا ہے۔

(۴) عرق آلودہ دہن سے غنچہ پر پانی کے گھڑے ڈالنا۔ گلرو کی خوش دہنی کا نہایت اچھا مبالغہ ہے۔

ظفر

(۱) اتنا ملیے خاک میں جو خاک میں ڈھونڈھے کوئی خاکساری خاک کی گر خاکساری رہ گئی

(۲) اتنا خاک میں ملیئے کہ کوئی خاک میں ڈھونڈھے۔ اگر ساری خاک رہ گئی تو خاک خاکساری کی۔

(۳) خاک میں ملنا — مٹنا

خاک — مٹی۔ گرد و غبار۔

خاکساری — عجز و انکسار

خاک — حرف نفی۔

(۴) آپ کو ایسا مٹانا چاہیے۔ کہ کوئی خاک میں ڈھونڈھے۔ جب ساری خاک رہ گئی تو کیا خاکساری کی۔ خاکسار ہونا اسے نہیں کہتے۔ انکسار اسکا نام نہیں کہ وجود قایم رہے۔

(۵) لفظ خاک کی تکرار نے مضمون کی ہوا باندھ دی۔ **مومن**

(۱) وہ ہی خالی تو یہ خالی وہ بھر تو یہ بھرے کاسۂ عمرِ عدو حلقۂ آغوش ہوا

(۲) وہ خالی ہے تو یہ خالی ہے۔ یہ بھرے تو وہ بھرے۔ کاسۂ عمرِ عدو حلقۂ آغوش ہوا

(۳) حلقۂ آغوش — بغل

کاسہ — پیالہ

عدو — رقیب

(۴) کاسۂ عمر بھرنا - عمر پوری ہوجانا - مرجانا - اصل میں (پیمانہ پرشدن) اصطلاح ہے
کاسۂ عمر عدو بھرنا - دشمن کا مرنا -
" خالی ہونا زندہ رہنا -
وہ کا مشارٌ الیہ - کاسۂ عمر عدو - اور تیہ کا حلقہ آغوش ہے -
(۵) جب تک رقیب زندہ ہے اور اسکا کاسۂ عمر نہیں بھرتا - دوست کی ہم آغوشی نصیب نہیں ہونے کی - جب اسکا پیمانہ بھرجائیگا - وہ یاروں کا یار ہوگا ہمسے ہمدوش و ہم آغوش رہیگا - غرض اُسکا پیمانہ نہ بھرنے سے ہماری بغل بھی نہیں بھر سکتی - وہ خالی رہتا ہے اور یہ بھی خالی رہتی ہے - گویا کاسۂ عمر عدو حلقہ آغوش ہے -
(۶) حلقہ آغوش کاسہ عمر عدو ہونے کا کافی ثبوت ہے - (مومن)
(۱) حیرتِ حسن سے یہ شکل بنی کہ وہ آئینہ دکھاتے ہیں مجھے
(۲) حیرتِ حسن سے یہ شکل بنی - کہ مجھے وہ آئینہ دکھاتے ہیں -
(۳) حیرت تعجب - بھونچکاپن -
شکل حالت - صورت -
(۴) سکتہ ایک مرض ہے جسمیں مریض مردہ سا بے حس و حرکت ہوجاتا ہے اور نبض کی حرکت محسوس نہیں ہوتی - اس صورت میں آئینہ دکھا کر دیکھا کرتے ہیں کہ مردہ ہے یا زندہ -؟
(۵) اُن کا حُسن دیکھکر مجھے ایسی حیرت ہوئی کہ سکتہ ہوگیا اور مردہ کا گمان ہونے لگا - جسے کہ وہ آئینہ دکھاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ مردہ ہے یا زندہ -؟

(۹) کمالِ حسن کے مبالغہ میں کمال کیا ہے **غالب**

(۱) چھوڑا مہ نخشب کی طرح دست قضا نے خورشید ہنوز اسکے برابر نہ ہُوا تھا

(۲) دستِ قضا نے مہِ نخشب کی طرح چھوڑ دیا۔ خورشید ابھی اسکے برابر نہ ہُوا تھا

(۳) مہ (مخفف ماہ) چاند۔

دست۔ ہاتھ۔

خورشید سورج

قضا حکمِ خدا (استعارتاً مجسم فاعلِ مختار)

(۴) نخشب ترکستان میں ایک مقام ہے یہاں حکیم ابن عطا (مقنع) نے طلسم کا چاند بنایا تھا کہتے ہیں یہ اپنے شاگرد سے کہ گیا تھا۔ کہ میں کنوئیں میں اترکر چاند چھوڑتا ہوں۔ جب اس چاند کی برابر پہنچ جائے مجھے مطلع کرنا۔ مگر مصنوعی چاند ابھی کچھ درجہ نیچا تھا کہ شاگرد نے روک دیا۔ اس غلطی سے صرف بارہ میل تک روشنی پہنچا سکا۔ یہ مقررہ دور کے بعد اسی کنوئیں میں ڈوبا کرتا تھا۔

(۵) میرا ممدوح جلال و جمال میں آفتاب سے کہیں بڑھکر ہے۔ جسطرح ماہ نخشب اس چاند کو نہ پہنچا ناقص رہگیا۔ سورج بھی ناکامل رہا۔ ابھی کئی کروڑ میل فاصلہ باقی تھا کہ دست قضا نے انکا ہمسر سمجھکر ہاتھ کھینچ لیا۔ اور کمایفبغی ترقی نہ پائی۔

(۶) غلوئے ممدوح کا غلو قابلِ تعریف ہے۔ **مومن**

(۱) ظلمتِ عصیاں سے میرے بن گیا شب روز حشر آفتاب ایک نیزہ پر ومدار تارا ہو گیا

(۲) روز حشر میرے ظلمت عصیاں سے شب بنگیا - آفتاب ایک نیزہ پر دمدار تارا ہو گیا

(۳) روزِ حشر — قیامت کا دن

ظلمت — سیاہی

عصیاں — سیاہ کاری

(۴) اہل اسلام کا ایمان ہے کہ ایک دن نظام قدرت ٹوٹ جائیگا - زمین روئی کے گالوں کی طرح اُڑ جائیگی - آسمان پھٹ جائیگا - آفتاب ایک نیزہ بلند رہجائیگا - گنہگار حرارت کی تاب نہ لاسکیں گے -

(۵) باوجودیکہ آفتاب زمین کے نہایت قریب ہے مگر میری سیاہکاری کی تاریکی سے رات ہو گئی ہے - اور نورِ آفتاب ایسا گھٹا کہ صرف دمدار تارا نظر آتا ہے -

(۶) ایک نیزہ پر آفتاب کو دمدار تارا کہنا تشبیہ تام ہے اسپر سیہ کاری نے شعر کو اور بھی چمکا دیا -

مولف

(۱) داغ ہجراں سے ہمارے بنگئی شب روزِ حشر — آفتاب ایک نیزہ پر دمدار تارا ہو گیا

(۲) ہمارے داغ ہجران سے شب روز حشر بن گئی - دمدار تارا ایک نیزہ پر آفتاب ہو گیا

(۳) داغ ہجران — رنج و فرقت کا داغ

روزِ حشر — قیامت کا دن

شب — رات

(۴) اے مشہور ہے کہ ایام نحس میں دمدار تارے نظر آیا کرتے ہیں

۲ے ہجر کی رات کو قیامت کے دن سے تشبیہ دیتے ہیں -

سے قیامت کو آفتاب ایک نیزہ پر آجائیگا۔
(۵) شب ہجراں کی مصیبت نہ پوچھو۔ رات کیا ہی کالی بلا تھی پہاڑ کی طرح
کاٹی نہیں کٹتی۔ قیامت ہے۔ جو چیز ہے رنج دینے والی۔ دمدار تارے کی۔
روشنی نے رات کی تاریکی گھٹادی۔ ایسی منحوس اندھیری راتوں کو انکی
نحوست اور چمک جاتی ہے۔ ہمارے داغ ہجراں سے وہ تب وتاب وہ حرکت
وحرارت پیدا ہو گئی ہے۔ کہ دن ہو گیا۔ یہی دمدار تارا آفتاب حشر کا کام
دے رہا ہے۔ مجھ ناکام کا کام کئے دیتا ہے۔ الامان۔ باوجود اس فاصلہ کے
ایک نیزہ پر معلوم ہوتا ہے۔
(۶) صرف دو لفظوں سے معنوں میں کتنا فرق آگیا ہے! دیکھو اس سے پہلا
استاد ذوق کا شعر؛ **مولف**
(۱) آنکھ بھر کر اب نہ دیکھینگے کسی بیدید کو — تیری آنکھیں دیکھکر اے یار آنکھیں ہوگئیں
(۲) اے یار! اب کسی بیدید کو آنکھ بھر کر نہ دیکھیں گے۔ تیری آنکھیں دیکھکر آنکھیں
ہوگئیں۔

(۳) بیدید — معشوق
آنکھ بھر کر دیکھنا۔ — التفات کرنا۔ نظر ہو کر دیکھنا
آنکھیں دیکھنا — تکنا۔ فیض اٹھانا۔
آنکھیں ہوجانا — متنبہ ہوجانا۔
(۴) اے یار اب کسی سے دل نہ لگائینگے۔ تمکو دیکھکر متنبہ ہوگئے۔ تمہارے ہاتھ سے
وہ رنج اٹھائے کہ جی بیٹھ گیا۔ محبت سے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ اب عشق سے توبہ

کرتے ہیں۔ جب تم نے ہی یہ سلوک کیا تو اور کسی سے کیا امید؟ تمہاری صحبت سے یہ فیض ہوا کہ اب اس بلا میں پھنس گئے۔ کسی دوسرے کا دھوکا نہ کھائیں گے کہ غم کھانا پڑے۔

(۵) آنکھوں کی تکرار مناسب و مطبوع ہے۔

مومن

(۱) دیں پاکیٔ دامن کی گواہی میرے آنسو اس یوسف بیدرد کا اعجاز تو دیکھو۔

(۲) میرے آنسو اسکی پاکدامنی کی گواہی دیں۔ اس یوسف بیدرد کا اعجاز تو دیکھیں

(۳) پاکیٔ دامن — پارسائی (پوترتا)

یوسف — نام پیغمبر

اعجاز — کرامات

بیدرد — ظالم

(۴) جب حضرت یوسف علیہ السلام پر زلیخا نے فسق کی تہمت لگائی۔ تو ایک معصوم بچے نے اُن کی عصمت کی گواہی دی تھی۔ یہ اُن کا معجزہ تھا۔

(۵) میرا یوسف (معشوق) یوسفِ کنعان سے بھی پاکدامن ہے۔ میں زلیخا کی طرح اُسکا مدعی ہوں مگر معجزہ دیکھو خود میرے آنسو (طفل اشک) اُسکی پارسائی ثابت کرتے ہیں۔ میرے آنسو ہی میرے دعوے کا جواب ہیں۔ بیدردی سے کبھی میرے آنسو پونچھے ہی نہیں۔ جو اُسکا دامن تر ہوتا۔ اور اُسکو تردامن کہ سکتے۔ بیشک پاکدامن ہے۔

(۶) وہاں ایک لڑکے نے گواہی دی تھی یہاں ہزاروں کی شہادت موجود ہے

(۱) دو نفی سے ہوئی ثابت اثبات جب نہیں سے دہن یار کھلا مولف

(۲) جب نہیں سے دہن یار کھلا۔ دو نفی سے اثبات ثابت ہوئی۔

(۳) کھلا — ظاہر ہوا

دہن — منہ

(۴) قاعدہ ہے کہ دو نفی ملکر (جمع) اثبات ہوتا ہے۔

نوٹ معشوق کے دہن و کمر کو معدوم و مجہول باندھتے ہیں۔

(۵) نہیں کرنے سے دہن یار معلوم ہوگیا۔ اور اس کے عدم کی نفی ہوگئی۔ کیونکہ بے دہن ادائے الفاظ محال ہے اور دہن معدوم سے ہاں نہیں معلوم گویا نہیں حرف نفی۔ جب (دہن) نفی سے ملا تو اثبات (دہن کا ہونا) ثابت ہوا۔ اور اس قاعدہ کی تصدیق ہوگئی کہ دو نفی سے اثبات پیدا ہوتا ہے

(۶) یہ شعر ایشیائی خیالات کی دلچسپی کا نمونہ ہے۔ لفظ کھلا مناسب ہے۔

ذوق

(۱) مل گئیں خاک میں جو صورتیں ہے انکا خیال   کیوں نہ فانوس خیالی ہو بگولا ہمکو

(۲) جو صورتیں خاک میں مل گئیں اُن کا خیال ہے ہمکو بگولا فانوس خیالی کیوں نہو۔؟

(۳) خاک میں ملنا — برباد ہونا

(۴) فانوس خیالی ایک قندیل نما دایرہ سا کاغذ سے منڈھ لیتے ہیں اسمیں چند تصویریں ہوتی ہیں جو پھرتی رہتی ہیں۔ اور چراغ کی روشنی میں گردش پاتی دکھائی دیتی ہیں۔

(۵) بگولا ہمکو فانوس خیالی نظر آتا ہے خاک میں ملی ہوئی صورتیں آنکھوں

ہیں پھرنے لگتی ہیں۔ خیال آتا ہے کہ کیا کیا شکلیں برباد ہو گئیں۔ کیسے کیسے پریوش اُٹھ گئے۔ خدا جانے کتنوں کی خاک اسمیں موجود ہے۔

(۶) فانوس خیالی سے بگولے کی وجہ تشبیہ کامل ہے۔

ذوق

(۱) ہدف ہے تیر کا جسکے گُل ہر داغ دل میرا ہمیشہ آبِ پیکاں سے ہے شبنم اس گلستاں میں

(۲) میرا گل ہر داغ دل اسکے تیر کا ہدف ہے۔ اس گلستان میں ہمیشہ آب پیکان سے شبنم ہے۔

(۳) گُل — پھول

ہدف — نشانہ

آب پیکاں — بھال کی آبداری

(۴) شاعر داغ کو گل (پھول) اور داغدار دل کو گلستاں باندھتے ہیں

(۵) ہجوم داغ سے مراد اغدار دل گلستان ہے۔ اور اس گلستان میں شبنم آب پیکاں ہے۔ جو اُس کے تیروں کی کثرت سے ہر داغ پر پہنچتا رہتا ہے۔ جسطرح باغوں میں شبنم لازمی ہے اس باغ میں اُس کے تیروں کا آب پیکان ہے۔

(۶) شبنم سے آب پیکاں کی مثال نے شعر کو بے مثال کر دیا ہے۔ ذوق

(۱) ولیے ہوں گر داغ سوزانِ عشق میں اے کوہکن پھر تو گنج سوختہ خسرو کا بھی کیا مال ہے

(۲) اے کوہکن اگر عشق میں دل پر داغ سوزاں ہوں تو خسرو کا گنج سوختہ کیا مال ہے

(۳) کیا مال ہے۔؟ — کیا حقیقت ہے؟

خسرو — نام بادشاہ۔

(۴) گنج سوختہ خسرو پرویز کے (پنج گنج) پانچ خزانے۔ گنج باد آورد شایگان۔ گنج سوختہ۔ گنج گاؤ۔ گنج عروس۔ گنج شاد آورد مشہور ہیں۔ انہیں میں ایک گنج سوختہ بھی ہے۔ بعضے مورخ کہتے ہیں آٹھ خزانے تھے۔ واللہ اعلم

۔ کوہکن لقب۔ فرہاد نام۔ ایک سنگ تراش شیریں ملکہ شاہ خسرو پرویز کیانی پر عاشق ہوگیا۔ تھا۔ اور بامید کامیابی جوئے شیر لانے کو بیستون پہاڑ کاٹا کرتا تھا۔ اسی سبب سے کوہکن نام پایا۔

(۵) اے کوہکن۔ عشق میں دلِ پُر داغ سوزاں ہوں تو خسرو پرویز کے گنج سوختہ کی کچھ حقیقت نہیں۔ عاشق بادشاہوں سے بڑھکر ہیں عشق بڑی دولت ہے۔

(۶) کیا نال گنج سے۔ داغ سوزاں سوختہ سے مناسب ہے۔

ذوق

(۱) اسقدر تارِ طرب سازکی آواز بلند چھیڑیں گر تارکھرج کا تو ہو پیدا دھیوت

(۲) سازِ طرب کی آواز اسقدر بلند ہے کہ کھرج کا تار چھیڑیں تو دھیوت پیدا ہو

(۳) طرب ساز طنبور یا گوئیا۔

ساز طنبور۔ باجہ۔

(۴) ۔ کھرج ایک تار کا نام ہے جسمیں بہت نیچا سُر ادا ہوتا ہے۔

۔ ہندوستانی موسیقی کے موافق۔ سُر۔ رکھب۔ گندھار۔ مدہم پنچم۔ دھیوت نکھاد۔ کل سات سُر ہیں۔ اُن میں سے ایک دھیوت بھی ہے۔

(۵) آج ایسا خوشی کا دن ہے طرب و نشاط کی وہ ترقی ہے۔ کہ اسکے اثر سے

کھرج کا تار چھیڑیں۔ تو (اسکی خاصیت کے خلاف) اونچا سر (دھیوت) پیدا ہو جاتا ہے۔ جو سوائے نکھاد کے سب سے بلند ہے اور کھرج سے ادا نہیں ہوا کرتا۔

(۹) یہ قصیدہ کا شعر ہے۔ ترقی طرب جوشِ نشاط کا مبالغہ سروں میں نئی ادا سے ادا کیا ہے۔ اور دو ساز وں کے ملنے سے حسنِ کلام دوبالا ہو گیا ہے۔



ذوق

ہوا حمدِ خدا میں دل جو مصروفِ رقم میرا
الف الحمد کا سا بن گیا گویا قلم میرا

نشانِ بے رواجی گر دکھائے زور ہٹ جائے
جھپک سے دیدۂ صراف کے نقشِ درم میرا

ہوا یہ سینۂ یکسر خارزارِ دشتِ غم میرا
کہ آیا پانوں آغشتہ ہو کر لب پہ دم میرا

شوقِ نظارہ ہے جب سے اُس رخِ پر نور کا
ہے میرا مرغِ نظر پروانہ شمعِ طور کا

لطف جاتا ہے سرودِ نالۂ پر شور کا
خونِ دل پیتا ہے یہ کھانا مجھے سیندور کا

تو ہو بعد از مرگ بھی گر لے محبت دستگیر
استخواں سے ہو مرے دستہ ترے ساطور کا

بل بے وحشت اب تلک بھی شاخِ آہو کی طرح
پیچ کھاتا ہے دھواں میری چراغِ گور کا

تیرے قامت سے جو ہو برپا قیامت سر پہ
کام لے منقار سے فریادِ قمری صور کا

لکھیے اسے خط میں کہ ستم اُٹھ نہیں سکتا
پر ضعف سے ہاتھوں میں قلم اُٹھ نہیں سکتا

اتنا ہوں تیری تیغ کا شرمندۂ احساں
سر میرا تیرے سر کی قسم اٹھ نہیں سکتا

آیت سجدہ ہے حق میں میرے ہر جوہر تیغ
ہے خمِ تیغ فقط کیا خمِ محراب بنا
تو اگر آپ کو دیکھے تو میری آنکھ سے دیکھ
اپنا آئینہ میرا دیدۂ پُر آب بنا

مقدر ہی پہ گر سود و زیاں ہے
تو ہم نے یاں نہ کچھ کھویا نہ پایا
رہِ گم گشتگی میں ہم نے اپنا
غبارِ راہ بھی عنقا نہ پایا
کہے کیا ہائے زخمِ دل ہمارا
دہن پایا لبِ گویا نہ پایا
نہ مارا تو نے پورا ہاتھ قاتل
ستم میں بھی تجھے پورا نہ پایا

نام یوں پستی میں بالا تر ہمارا ہو گیا
جس طرح پانی کنوئیں کی تہ میں تارا ہو گیا
رشک سے اس زلف کے کیا مشک ہے یکسر ختن
بلکہ جل کر سوختہ عنبر بھی سارا ہو گیا
ظلمتِ عصیاں سے میرے بن گیا شب روزِ حشر
آفتاب ایک نیزہ پر دُمدار تارا ہو گیا

میں ہجر میں مرنے کے قریں ہو ہی چکا تھا
تم وقت پہ آ پہنچے نہیں ہو ہی چکا تھا
گیا گرم تپش ہوتا تڑپ کر تیرے آگے
میں سر و تہِ خنجر کہیں ہو ہی چکا تھا

محتسب گرچہ دل آزار ہے میخواروں کا
دے مجھے اک جام تو ہے یار ابھی یاروں کا

نالہ اس شور سے کیوں میرا دہائی دیتا
اے فلک گر تجھے اونچا نہ سنائی دیتا

پنجۂ مہر کو خون شفقی میں ہر روز
غوطے کیا کیا ہے تیرا دست حنائی دیتا

میں وہ ہوں صید کہ پھر دام میں پھنستا آکر
گر قفس سے مجھے صیاد رہائی دیتا

خوگر ناز ہوں کس کا کہ مجھے ساغر مے
بوسۂ لب نہیں بے چشم نمائی دیتا

ہونا عاشق سونچکر اس دشمن ایمان کا
دل نہ کر جلدی کہ جلدی کام ہے شیطان کا

جھوٹ ہی جان تو کلام اس رہزن ایمان کا
پہنکر جامہ بھی وہ آئے اگر قرآن کا

یہ تپ غم کی ہے شدت آپکے بیمار کو
یوم راحت بھی ہے حق میں اسکے فن بحران کا

ہنگامہ گرم ہستی ناپایدار کا
چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا

ہے دل کی داؤگھات میں مژگاں سے چشم یار
کرتی ہے قصد ٹٹی کے اوجھل شکار کا

اس روے تابناک پہ ہر قطرۂ عرق
گویا کہ اک ستارہ ہے صبح بہار کا

اس سے تو اور آگ وہ بیدرد ہو گیا
اب آہ آتشیں سے بھی دل سرد ہو گیا

مجنوں بھی دشت گرد تھا مانند گردباد
جب خاک اڑا لی ہمنے تو وہ گرد ہو گیا

پائی طبیب سے ہے ہمیں کیا بجھا ہوا
ہے دل ہی زندگی سے ہمارا بجھا ہوا

جدا نہ درد جدائی ہو گر میرے اعضا
حروف درد کی صورت ہوں اے طبیب جدا

فراقِ خلد سے گندم ہی سینہ چاک اب تک
الٰہی ہو نہ وطن سے کوئی غریب جدا
کیا حبیب کو مجھ سے جدا افلاک نے مگر
نہ کر سکا میرے دل سے غمِ حبیب جدا

نشۂ دولت کا بد اطوار کو جس آن چڑھا
سر پہ شیطان کے ایک اور بھی شیطان چڑھا
جب لڑی آنکھ تیری کوئی میرے دل کے سوا
فوجِ مژگاں کے نہ منہ پر سرِ میدان چڑھا
اشک آنے نہیں مژگاں پہ کہ یار رونے ابھی
پانی سو نیزے دریا یا نہ حد کے طوفاں چڑھا
حضرتِ عشق کی درگاہ میں آ کر اے ذوق
دل و دیں دیتے ہیں سب گبر و مسلمان چڑھا

حسن سے ہے تا دلِ آہن بھی گرم اختلاط
شمع کی گلگیر ہے منہ میں زباں لینے لگا

پہنچا آب تیغِ قاتل تا بسر اچھا ہوا
اے دلِ مجروح لے تو غسل کر اچھا ہوا
بندھ گیا اس موکمر کا جبکہ مضمونِ کمر
ہو گئی مضمون میں وقتِ شعر پر اچھا ہوا
کھنچ گیا میری طرف سے اور اس لب کا دل
واہ واہ جذبِ محبت کا اثر اچھا ہوا

عبث جاں منتظر ہونٹوں پہ ہے وہ شوخ گر آیا ہے
اگر جہلم کو بھی آیا تو ہم جانیں گے اب آیا
برنگِ غنچہ خونیں دل ہنسے کیا اس گلستاں میں
بھر آیا شیشہ میں خوں گر اک تبسم زیرِ لب آیا
تیرے ڈر سے نہ آیا پاس کوئی ہیچ بانوں کے
مگر رونا کبھی چوری سے بعد از نیم شب آیا

اتارا تو نے تو سر تن سے اس شامت کے مارے کا
ارے احسان نالوں سے یہیں تنکا اتاریگا

نہ پکڑیں دامنِ الیاس گردابِ بلا میں ہم
کہ بدتر ڈوب کر مرنے سے ہے جینا سہارے کا

خریدار اُس کی رحمت جنسِ عصیاں کی ہے گر پہلے
چھڑک کر بیچتا ہوں نفع پر سوئے خسارے کا

ڈھلکتا ہے یہ مثلِ دانۂ تسبیح کیوں منکا
کہ جب ٹھہرا سفر دنیا سے کیا کام استخارے کا

فقط تارِ نفس کا ذوق خطِ جادہ کافی ہے
پئے عمرِ رواں کیا چاہیے رستا گذارے کا

نالہ ہے اُن سے بیاں دردِ جدائی کرتا
کام قاصد کا ہے یہ تیر ہوائی کرتا

ابھی کیا سروِ قاتل یہ شہیدِ تفتہ جاں ہوتا
کوئی دم شمعِ مردہ میں بھی ہے باقی دھواں ہوتا

کبھی ہے مرغِ دل اک کاش میں زاغِ کماں ہوتا
کہ تا شاخِ کماں پر اُسکی میرا آشیاں ہوتا

ترے خونیں جگر کی خاک پر ہوتا اگر سبزہ
تو مژگاں کی طرح سے اُسکے دائم خونچکاں ہوتا

نہ کرتا ضبط میں گریہ تو اے ذوق اک گھڑی بھر میں
کٹورے کی طرح گھڑیال کی غرقِ آسماں ہوتا

آنکھیں مری تلووں سے وہ مل جائے تو اچھا
ہے حسرتِ پابوس نکل جائے تو اچھا

ہاں کچھ تو ہو حاصل ثمرِ نخلِ محبت
یہ سینہ پھپھولوں سے ہی پھل جائے تو اچھا

کہے ہے خنجرِ قاتل سے یہ گلو میرا
کمی جو مجھ سے کرے تو پیئے لہو میرا

کب صبا آئی ترے کوچہ سے اے یار کہیں
جوں حبابِ لبِ جو جامہ سے باہر نہ ہوا

ہیں ہمیشہ عاشق پیچیدہ مو یاں ہی رہا
خاک پر روئیدہ میرے عشق پیچاں ہی رہا

حلقۂ گیسو میں دیکھی کس کے رخسار کی تاب
شب مہ ہالہ نشیں سر در گریباں ہی رہا

سب کو دیکھا اُس سے اور اُسکو نہ دیکھا جوں نگاہ
وہ رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا

پستۂ قندی ہے کام غیر میں وہ لعل لب
پر میرے حق میں تو سنگ زیر دنداں ہی رہا

تیرے جوڑے کے کھلنے نے میرا دل و لستاں باندھا
عجب تقدیر نے عقدہ وہاں کھولا یہاں باندھا

نہ چھاڑا غیر کو ہرگز جو ہو کر جھاڑ لپٹا تھا
مجھے پر گالیوں کا جھاڑ تو نے بدزباں باندھا

میرا دل آگے ہی سینہ میں اک پھوڑا سا پکتا ہے
خیال خط سبز یار نے کیوں برگ پاں باندھا

کہاں دل بھاگ کر جائے کہ تیرے نخل قامت سے
عجب اک گرد نامہ خط نے ای سرو رواں باندھا

بھڑکنا کیا کہوں سینہ میں اپنے آتش غم کا
کہ جائے پنبہ ہے ہر داغ پر شعلہ جہنم کا

مٹے جاتے ہیں کس سے زخم اس تیغ تبسم کے
کہاں کھلتا ہے بخیہ سوزن عیسیٰ مریم کا

دلیران محبت کو خلش ہے اسکی مژگاں کی
پس مردن لحد میں بھی ہے عالم چارہ رستم کا

شہیدا ذوق سے سلنے میں ہو لی ہیں حسرتیں لاکھوں
مرے جو آہ ہے گویا وہ ہے اک نخل ماتم کا

گل اُس نگہ کے زخم رسیدوں میں مل گیا
یہ بھی لہو لگا کے شہیدوں میں مل گیا

محفل میں شور قلقل مینا سے گل ہوا
لا ساقیا پیالہ کہ توبہ کا قتل ہوا

دریائے غم سے میرے گذرنے کیواسطے
تیغ خمیدہ یار کی لوہے کا پل ہوا

اُس بن رہا چمن میں بھی میں فوق دلخراش
ناخن سے تیز تر مجھے ہر برگ گل ہوا

ذبح ہونے کا مزا جانتا گر صید حرم
رکھ کے خنجر پہ گلو آپ وہ بسمل ہوتا

جو نہ رنگ رنج و ماتم کا یہاں نمود ہوتا
تو زمیں نہ زرد ہوتی نہ فلک کبود ہوتا

کسی رنج کش کو دیتا کہ کچھ اُسکو سود ہوتا
دل سخت کاش کافر حجر الیہود ہوتا

دل کو اُس کاکل پیچاں سے نہ بل کرنا تھا
یہ سیہ بخت گیا اپنے ہی بل میں مارا

اُس لب و چشم پہ ہے زندگی و مرگ اپنی
کہ کبھی دم میں جلایا کبھی پل میں مارا

آئے تو کہاں جائے نہ تا جی سے کوئی جائے
جبتک نہیں آتا اُسے غصہ نہیں آتا

شب ہم نے تہیہ جو کیا توبہ کا ساقی
مغرب سے سحر مہر درخشاں نکل آیا

ہر ایک سے ہے قول آشنائی کا جھوٹا
وہ کافر ہے ساری خدائی کا جھوٹا

نہ منھ ڈال خار آبلہ میں کہ ہوگا
یہ ساغر مئے کہربائی کا جھوٹا

سرمہ ہے سفاک شہرہ ہے نگاہ یار کا
سچ کہا ہے باڑھ کاٹے نام ہو تلوار کا

چاندنی نے شب تجھ بن عجب یہ دکھایا تھا
مجھکو مہتابی پہ دھوپ میں بٹھایا تھا

ہم برہنہ پا جنوں اور گرم پتھر زیر پا
دوپہر ہے سایہ بھی بیٹھے ہی دیکھ زیر پا

زاہد شراب پینے سے کافر ہوا میں کیوں؟
کیا ڈیڑھ چلو پانی میں ایمان بہ گیا؟

کیوں تکبر بولتا یہ بندۂ محکوم القضا
گر بڑا بول اپنا قاضی کا پیادا جانتا

ہے قفس سے شور اک گلشن تلک فریاد کا
خوب طوطی بولتا ہے ان دنوں صیاد کا

چشم و نگہ کو تیرے بدنام کیوں کریگا
مرگ و قضا کو تیرا عاشق نہ لے مریگا

مسجد میں اُس نے ہمکو آنکھیں دکھا کے مارا
کافر کی دیکھو شوخی گھر میں خدا کے مارا

ہوں میری خاک کو جو تمہارے قدم نصیب
کھایا کریں نصیب کی میری قسم نصیب
ایماں ہے تیرا شوق تھا جس کو یہ نہو
دیدار اُسے خدا کا نہو اے صنم نصیب

کرے ہے شرع کا پاس نمک حرام شراب
حرام ہے نہیں لیکن نمک حرام شراب

مجنوں نے دی لگا جو سرِ خارزار پشت
پشتِ لب ہجومِ خار سے ہے پشتِ خارِ پشت

وہ مثل ہے ناؤ یہ کس نے ڈبوئی خضر نے
لیگیا خطِ ذقن دل کو سوئے گرداب کھینچ

فرقت کی رات جی چکے ہم تا زمانِ صبح
ہوگی اذانِ گور ہماری اذانِ صبح
ریشِ سفید شیخ میں ہے ظلمتِ فریب
اس مکر چاندنی پہ نہ کرنا گمانِ صبح

قلابے آسمان و زمین کے ملا نہ تو
اس مہروش سے ملنے کی ناصح بتا صلاح

بیمارِ چشمِ دلبر آہو نگاہ ہوں
شاخیں بھی گر لگائیں تو لیکر ہرن کی شاخ
شاخِ نبات کو لئے قلیاں نہ منہ لگے
ایسی مصاحبت ہے لگے اس دہن کی شاخ
عریاں ہی دفن کرنا تھا زیرِ زمیں مجھے
یاروں نے ایک اور لگا دی کفن کی شاخ

نکلا نہیں حرفِ دل نشیں تھا دہن کی تنگی سے تنگ ہو کر
نکل کر آیا جو راہ آنکھوں کے دل میں بیٹھا خدنگ ہو کر
غزالِ رم دیدہ بن گیا ہے جو خواب آنکھوں میں تو بجا ہے
کہ پھاڑ کھانے کو دوڑتا ہے پلنگ تجھ بن پلنگ ہو کر

سچ کہا ہے آگے کالے کے نہیں چلتا چراغ
چھپ گیا منہ رخ پہ تیرے زلفِ شبگوں دیکھ کر

اُڑ گئے اِک آن میں جادو بیانی کے ہنر
سرمہ آلودہ تیری چشم پر افسوں دیکھکر

دکھانہ جوش خروش اپنا زور پر چڑھکر
گئے جہاں ہیں دریا بہت اتر چڑھ کر

ذبح کرنے کو میرے پوچھتے کیا ہو تکبیر
تم چھری پھیر بھی دو نام خدا کا لیکر
کھینچتی روز قیامت سے بھی آپ کو دور
تیری زلفوں کی بلائیں شب یلدا لیکر

طفل اشک پسا گر دامان مژگاں چھوڑ کر
پھر نہ اُٹھا کوچۂ چاک گریباں چھوڑ کر
سرد مہری سے کسی کی آگئے ہیں دل سے سرد
یہاں سے ہٹ جاؤ ہوپ لے بہار چمن چھوڑ کر
گر خدا دیوے قناعت ماہ نخشب کی طرح
دوڑے ساری کو بھی آدھی تم انسان چھوڑ کر
پیوے میرا ہی لہو مانی جو لب اس شوخ کی
کھینچے تو شنگرف سے خون شہیداں چھوڑ کر
ہو گیا طفلی ہی سے دل میرا زود اسیر عشق
بھاگے ہیں مکتب سے ہم اوراق میزان چھوڑ کر

بلبل ہوں صحن باغ سے دور اور شکستہ پر
پروانہ ہوں چراغ سے دور اور شکستہ پر
ساقی بط شراب ہے تجھ بن پڑی ہوئی
خم سے الگ ایاغ سے دور اور شکستہ پر

تو نے گل کو سر پہ رکھا جب چمن میں توڑ کر
میں بھی حاضر ہوں کہا غنچے نے یہ منہ پھوڑ کر

وہ کہے کون ہے قربان میرے اس چتون پر
میں کہوں میں تو کہے ہیں کے چھری گردن پر

تیرے دنداں مسی زیب کی دیکھی بہار
اوس سی پڑ گئی گلشن میں گل نسرین پر

بادام وہ جو بھیجے ہیں بٹوے میں ڈالکر
ایما یہ ہے کہ بھیجدو آنکھیں نکال کر

مجھ میں کیا باقی ہے جو دیکھے ہے ان پاس
بدگماں وہم کی دارو نہیں لقمان کے پاس

جو کھلکر اونکا جوڑا بال آئیں سر سے پاؤں تک
بلائیں آکے لیں اون کی بلائیں سر سے پاؤں تک
یہ جتنے سر ہیں سب اون کے قد پر ٹھہرے ہیں
چمن میں سبز کیونکر ہو نجائیں سر سے پاؤں تک
سراپا پاک ہیں دھوئے جنہوں نے ہاتھ دنیا سے
نہیں حاجت کہ وہ پانی بہائیں سر سے پاؤں تک

پھنسے نہ حلقۂ گیسوے تابدار میں دل
بلا سے گر ہو نوالہ دہان مار میں دل
برنگ سبحۂ نو روز توڑے دل اونے
ہزاروں ایک ہمارا ہے کس شمار میں دل

سو ٹکڑے ہیں ایڑی کے برنگ گل صد برگ
کیا دشت نوردی میں کترتا ہے چنے گل
اس گل میں نہ پایا اثر بوے محبت
سو بار سونگھائے اسے پڑھ پڑھ کے فسوں گل
ہے رونقئ خانۂ دل سوز محبت
کافر تو بتا شمع حرم کیونکہ کرے گل

پائی نہ تیغ عشق سے ہمنے کہیں پناہ
قرب حرم میں بھی ہیں تو قربانیوں میں ہم
دوزخ بھی جلسے نعرۂ ہل من مزید بھول
لائیں جو آہ کو شرر افشانیوں میں ہم

ہم تو سنتے تھے سدا کل حموض بار رو
ذوق ہوتا ہے وہ کیوں ہو کے ترش اور گرم

دود دل سے ہے یہ تاریکی میرے غمخانہ میں
شمع ہے اک سوزن گم گشتہ اس کاشانہ میں

مستی و نا آشنائی وحشت و بیگانگی
یا تیری آنکھوں میں دیکھی یا تیرے دیوانہ میں

کس نے اک رت سے ہے دیکھو اتحاد حسن و عشق
زلف ہاں شانے میں کھینچی درد ہے یاں شانہ میں

رکھتا ہوں بسکہ جیفۂ دنیا سے ننگ ہوں
پارس بھی ہو تو جانتا مردار سنگ ہوں

مے ملا کر ساقیانِ سامری فن آب میں
کرتے ہیں جادو سے اپنے آگ روشن آب میں

طاس قلیاں میں رکھا ہے اسنے ابر دہ کو
ڈوب مر رو رو کے تو ابر بہمن آب میں

وعدہ ہے آنیکا اسکے ابر کھلجائے تو آئے
ڈالتا ہوں دمبدم اٹھ اٹھ کر روغن آب میں

خاک ہو کر بھی فلک کے ہاتھ سے ہمکو قرار
ایک ساعت مثل ریگِ شیشۂ ساعت نہیں

حرف آیا جو آبرو پہ میری
ہیں یہ چشم پر آب کی باتیں

اس کے گھر بہچلا مجھے دیکھو!
دلِ خانہ خراب کی باتیں

نہ چھوڑا تار وحشت نے ہمارے جیب و دامن میں
مگر تارِ نفس سینے میں سمجھو یا گریباں میں

گو اضطرابِ دل کو بیاں کرتے ہم نہیں
پر جو نگاہ ہے رگِ بسمل سے کم نہیں

ہے لوثِ حبِ زر سے یہ دامن ہمارا پاک
گر چھینٹ بھی پڑے تو بجا درم نہیں

نہ کہے غنچہ کہ اُس لب پہ وہ مسّی خوب نہیں
چپ کہ منہ چھوٹا سا اور بات بڑی خوب نہیں

ہو کے اک بوسہ پہ ترش ابرو ؟
بات کو ڈالتا کھٹائی میں +

ہم اپنے جذبۂ دل کے اثر کو دیکھتے ہیں
وہ پہلے بزم میں دیکھیں کہ ہم کو دیکھتے ہیں

نہ ڈال آبلے گرمئ فغاں منہ میں
کہ چپکا بیٹھ رہوں بھر کے گھنگنیاں منہ میں

کرے وحشت بیاں چشمِ سخنگو اسکو کہتے ہیں
یہ سچ کہتے ہیں سر چڑھ جائے جادو اسکو کہتے ہیں

سوالِ بوسہ کو ٹالا جوابِ چینِ ابرو سے
براتِ عاشقاں بر شاخِ آہو اسکو کہتے ہیں

جو پوچھے عقل یہ مجھ سے بتا کیا نام ہے تیرا
کہوں دیوانۂ چشمِ پری رو اسکو کہتے ہیں

میرے نالوں سے چپ ہیں مرغِ خوش الحاں زمانے میں
صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقار خانے میں

سینہ و دل پہ میرے زخمِ جگر ہنستے ہیں
ہنستے وہ چارہ گرو ہنستے ہی گھر بستے ہیں

کھنچی ہے ہاتھ سے بریاں کہ وہ بیرانِ تفنا
داغ دیتے ہیں جسے اُنکو درم دیتے ہیں

یہ طوق اسواسطے چھوٹا ہوا قمری کی گردن میں
کہ تھا بلبل کی قسمت کا پڑا قمری کی گردن میں

اُسنے خط جو قلمِ سرمہ سے لکھا ہم کو
لکھا ایما خموشی ہے یہ گویا ہم کو

باعثِ رشک ہوا عشق ہمارا ہمکو
تجھ بن دیکھے ہے غش جسنے کہ دیکھا ہمکو

پھینک کر شیشۂ دل ہاتھ سے کہتا ہے وہ مست
کیا بنایا ہے ہتھیلی کا پھپھولا ہم کو

اثرِ کفر ہے طاعت سے بھی اپنی پیدا
نقش سجدے کا ہے پیشانی پہ ٹیکا ہمکو

ہر قدم پاؤں میں سر رکھتے ہیں خارِ دشت
اے جنوں تونے تو کانٹوں میں گھسیٹا ہمکو

ٹپکا مژگاں سے لہو ہوکے جگر آخر کار
ایک مدت سے اسی ٹپکے کا ڈر تھا ہمکو

اِک حلاوت ہے عداوت میں بھی اُس ظالم کی
کہ اگر زہر بھی دیتا ہے تو میٹھا ہم کو

کھانے پینے کی قسم کھائی ہے تجھ بن ہمنے
ورنہ ہے زہر تو ہر طرح گوارا ہمکو

ہم تبرک ہیں بس اب کر لے زیارتِ مجنوں
سر پہ پھرتا ہے لئے آبلۂ پا ہمکو

سنگدل تین دن اب گور میں بھاری ہیں
ہے سوم میں تیرے آنیکا جو دھڑکا ہمکو

ہم نہ کہتے تھے کہ ذوق اُسکی تو زلفوں کو نہ چھیڑ
اب وہ برہم ہے تو ہے تجھکو قلق یا ہمکو

رند خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو
تجھکو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

مرجائیگا نہ تیرا گرفتارِ دامِ زلف
تربت پر اس کی پائیگا جھاڑی کا بیڑ تو

جال لگا پائیگا

بجا کہے جسے عالم اُسے بجا سمجھو — زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو
نفس کی آمد و شد ہے نمازِ اہلِ حیات — جو یہ قضا ہو تو اے غافلو قضا سمجھو
ہنسے جو وہ مرے رونے پہ تو صفِ مژگاں — نہ سمجھو تم اُسے دیوار قہقہہ سمجھو

تو مکدر نہ ہو تو عشق میں ہم — ایک آندھی ہے خاک اُڑانے کو

سگِ دُنیا پس از مردن بھی انگیزِ بلا ہو — کہ اُس کتّے کی مٹی سے بھی کتا گھانس پیدا ہو

کیا پوچھتا ہے تو عمل بغض و محبت — جلتا ہوا تعویذ سمجھ نقش جو دم کو

دیکھا دمِ نزع دلآرام کو — عید ہوئی ذوق ولے شام کو

یا تو پاس دوستی تجھکو بتِ بیباک ہو — یا مجھی کو موت آجائے کہ قصہ پاک ہو

اشکباری مرے مژگاں کی ذرا دیکھیں تو — کتنے پانی میں ہیں فوارے بھلا دیکھیں تو

تیرے بیمار کو گر اپنے جینے کی تمنا ہو — فلک پر سن کے ہنستے ہنستے شادی مرگ عیسیٰ ہو

چرخ ضدی ہے کوئی ضد دلائے اسکو — گر سے عود کو غرقی تو جلائے اسکو

دیتا ہے وہ دمباز جو دم اور زیادہ
شیشہ کی طرح پھولے ہیں ہم اور زیادہ

اُس شوخ ستمگر کو مری مرگ ہے منظور
ہے زہر نہ کھاتا مجھے سم اور زیادہ

ہے نگہت ریحاں کا دماغ اب کسے تجھہ بن
آتا ہے مرا ناک میں دم اور زیادہ

لیتے ہیں ثمر شاخِ ثمردار کو جھکا کر
جھکتے ہیں سخی وقت کرم اور زیادہ

دوزخ میں بھی پڑیں تو رسیدہ ہو لجِ سرشت
آتش میں پیچ و خم ہیں رسن کے رسن کے ساتھ

وحشت گئی نہ بعد فنا بھی مرا غبار
باتیں کرے ہے سقف سپہر کہن کے ساتھ

ہیں تیرے رشکِ خطِ رخسار سے
دل میں آئینہ کے جو ہر خار سے

یوں نگہ نکلے ہے چشم یار سے
مست جیسے خانۂ خمار سے ++

کرتا ہے دستِ جنوں جب کشمکش
جی او لجھتا ہے نفس کی تار سے

تیرے ہی پاؤں پہ لے قاتل گرا
سر مرا اڑ کر تیری تلوار سے

زلف کی قینچی سے دل ڈرتا نہیں
بھوت بھاگے ہے وگرنہ مار سے

نگہ کیا اور مژہ کیا ہم تو دونوں کو بلا سمجھے
اسے تیرِ قضا اُسکو پر تیرِ قضا سمجھے

نہ سمجھے او سنگدل آرامِ جان مبتلا سمجھے
پڑیں پتھر سمجھہ پر ایسی ہم سمجھے تو کیا سمجھے

ہنسے ہے زخم دل تدبیر پر جراح کی کہدو
اُنہیں ٹانکے نہ سمجھے خندۂ دنداں نما سمجھے

زخم دل پر کیوں مرے مرہم کا استعمال ہے
مشک گر مہنگا ہے تو کیا دن کا بھی کال ہے

دلپہ ہوں گر داغ سوزاں عشق میں آکو ہکن
کھاؤں میں ہیرا جو اُس بن کیونکہ دل ٹکڑے نہو
ہوتے ہیں اعضائے بوسیدہ تصور سے جُدا

پھر تو خسرو کا بھی گنج سوختہ کیا مال ہے
جو رگ پاں ہے وہ مجھکو شیر کا سا بال ہے
کھینچنی تصویر مجنوں کی تیری اشکال ہے

دل کو رکھدوں اُس دم شمشیر پر گر ڈھب بنے
موذیوں کو حق نہ دے آنکھیں کہ تا لائیں بلا

تا یہ قربانی صراطِ عشق پر مرکب بنے
عین حکمت تھی جو معدوم البصر عقرب بنے

چمنِ دہر میں جون سبزۂ شمشیر ہوں میں
جو میرے واقفِ جوہر ہیں وہ رکھتے ہیں عزیز

آب کی جائے دیا کرتے ہیں زہراب مجھے
تیرہ بختی میں بھی جوں تیغ سیہ تاب مجھے

لیتے ہی دل جو عاشقِ دلسوز کا چلے
کیا لیچلے گلی سے تیری ہم کہ جون نسیم

تم آگ لینے آئے تھے کیا آئے کیا چلے
آئے تھے سر پہ خاک اُڑانے اُڑا چلے

لگے ہے اس تمنا میں میرے ہر خار دامن سے
اب انکو شش جہت میں صفت دریا لوگ کہتے ہیں

کروں دستار میں گر ہو عطا اک تار دامن سے
گرے تھے اشک کے قطرے میرے جو چاک دامن سے

سر بوقت ذبح اپنا اُسکے زیر پائے ہے
رخصت اے زندانِ جنوں زنجیر کھڑکائے ہے

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے
مژدۂ خارِ دشت پھر تلوا میرا کھجلائے ہے

زخمی ہوں میں اُس ناوکِ دزدیدہ نظر سے / جانے کا نہیں چور مرے زخم جگر سے
گر ایکے پھرے جیتے وہ کعبہ کے سفر سے / تو جانو پھرے شیخ جی اللہ کے گھر سے
کھلتا نہیں دل بند ہی رہتا ہے ہمیشہ / کیا جانے کہ آجائے ہے تو اسمیں کدھر سے

شعلہ بھڑکے نہ کیونکہ محفل میں / شمع تجھ بن ہوا سے لڑتی ہے
تیری شمشیر خون کے چھینٹوں سے / چھینٹے آبِ بقا سے لڑتی ہے

دل کی معاشِ غم اسے غم کی تلاش ہے / ڈرتا ہوں دل سے میں کہ بڑا بدمعاش ہے
کیا شاد کو خفیف کرے ہے زبانِ خلق / شاباش جسکو کہتے ہیں وہ شاد باش ہے

ہے تیرے کان زلفِ معنبر لگی ہوئی / رکھیگی یہ نہ بال برابر لگی ہوئی
منہ سے لگا ہوا ہے اگر جامِ مے تو کیا / ہے دل سے یادِ ساقیِ کوثر لگی ہوئی

لگتی مرچیں سی کبابوں کو ہیں کیا کیا سنکر / دلِ بریاں سے مرے سوزِ محبت کے مزے
ابر و باراں کے بھی کیوں لطف اُٹھائیں میخوار / کہ اُڑاتے ہیں گنہگار ہی رحمت کے مزے

جا لگے جنت میں اگر سوز و محبت والے / تو یہ جانو ارے دوزخ ہی میں جنت والے
ساقیا ہوں جو صبوحی کی نہ عادت والے / صبحِ محشر کو بھی اُٹھیں نہ ترے متوالے
مرے رہے حسرتِ دیدار مریں گے کو بھی / تکتے ہیں ہائے وہ چشمی سے کتابت والے

نبض نملی ہے کہاں میرے فلاطوں چلتی
ہے یہ ضعف اب تو کہ چیونٹی بھی نہیں یوں چلتی

کھولدے آنکھیں دم نزع نہ دیکھو نگا تجھے
پر چھری اپنی تو گردن پہ ہیں دیکھوں چلتی

دور کر بالوں کو سر پہ کہے ہے لیلی
پر نہیں کانپ پہ مجنوں کے ذرا جوں چلتی

ہیں تو ان آنکھوں کے گردش کا بلا گرداں ہوں
کہ نہیں تیری بھی اس گردش گردوں چلتی

مزے یہ دل کیلئے تھے نہ تھے زباں کیلئے
سو ہمنے دل میں مزے سوزش نہاں کے لئے

صبا جو آئی خس و خارِ گلستاں کیلئے
قفس میں کیونکہ نہ پھڑکے دل آشیاں کیلئے

الٰہی کان ہیں کیا اس صنم نے پھونکدیا
کہ ہاتھ رکھتے ہیں کانوں پہ سب اذاں کے لئے

چلے ہیں دیر کو مدت میں خانقاہ سے ہم
شکستِ توبہ لئے ارمغاں مغاں کے لئے

رہے ہے ہول کہ برہم نہو مزاج کہیں
بجا ہے ہولِ دل ان کے مزاجداں کیلئے

جو دل قمارخانہ میں بت سے لگا چکے
وہ کعبتیں چھوڑ کے کعبہ کو جا چکے

کیا دیکھتا ہے تیغ نگہ ایسی اک لگا
جھگڑا تمام عمر کا اے پر جفا چکے

کیا مجھسے قیمتِ دل و جاں پوچھتا ہے تو
دونوں ہیں اک نگاہ پہ اے دلربا چکے

کیا خط میں مدعا لکھوں اپنا کہ مدعی
پہلے ہی انکو میری طرف سے پڑھا چکے

ابرِ تر آنسو بہانا کوئی ہمسے سیکھ جائے
برقِ مضطر تلملانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

جب کہا مرتا ہوں وہ بولے مرا سر کاٹکر
جھوٹ کو سچ کر دکھانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

زباں پیدا کروں جوں آسیا سینہ پیکاں سے
اسی باعث سے دایہ طفل کو افیون دیتی ہے

دہن کا ذکر کیا یاں سر ہی غائب ہے گریباں سے
کہ تا ہو جائے لذت آشنا تلخیٔ دوراں سے

ہے بادہ کشوں کے لئے اک غیب سے تائید
زلفیں تیری کافر انہیں دل سے میرے گیا کام

زاہد جو دعا مانگتا باراں کے لئے ہے
دل کعبہ ہے اور کعبہ مسلماں کیلئے ہے

چُنی تو نے افشاں جو اے مہ جبیں ہے
کیئے ضبط اشک آہ پہنچی فلک پر
نچھوڑے گی جیتا مجھے چشمِ قاتل

ستاروں میں کیا کیا چناں او چنیں ہے
میرا عشق کم خرچ بالانشیں ہے
یقیں ہے یقیں بلکہ عین الیقیں ہے

دشنام ہو کے وہ ترش ابرو ہزار دے
پشے سے سیکھے شیوۂ مردانگی کوئی

یاں وہ نشے نہیں جنہیں ترشی اُتار دے
جب قصد خوں کو آئے تو پہلے پکار دے

گر جھکے تیغ تری سر ابھی حاضر ہے کہ ہم
پوچھ مت راہ وفا اس نگہہ پُرفن سے

اسپہ مرتے ہیں کہ تعظیم تو لی دشمن سے
رہنمائی کی نرگسِ چشمِ دلا رہزن سے

مہ میں کہاں جو تاب رخِ سیمتن میں ہے
حرف آئے مجھ پہ دیکھیے کس کس کے نام سے

پردہ سا عنکبوت کا سقفِ کہن میں ہے
اس رنج سے عقیق کا دل خون یمن میں ہے

ہنگام بوسہ گرم جو وہ اک ذری ہوئے
شکر تھے لب پسینے سے شکر تری ہوئے

دکھلائے لیکے ہنسنے جو اپنے دُر سرشک
قائل ہماری آنکھ کے سب جوہری ہوئے

کچھ ہوتی آدمیت اگر ہوتے آدمی
یہ خوبرو تو حور ہوئے یا پری ہوئے

فردوس میں ذکر اُس لب شیریں کا گر آوے
پانی دہن چشمہ کوثر میں بھر آوے

چاہیے زر ان بتان سیمتن کیواسطے
ہم قلندریاں نہیں کوڑی کفن کیواسطے

سر تو ہے تن میں ترے تیغ ستم کیواسطے
پر لگا رکھتے ہیں وہ جھوٹی قسم کیواسطے

نعل شکل مہ نو جب تیری توسن کو لگے
چار چاند اور فلک پر مہ روشن کو لگے

پئیں مے آشکارا ہم کو کسکی ساقیا چوری
خدا کی جب نہیں چوری تو پھر بندے کی کیا چوری

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سُنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سُنے

لحد کو چاہیے یوں پیر پشت خم دیکھے
سرا کو جیسے تھکا اونٹ دمبدم دیکھے

پھرتے ہیں لکھے پڑھے سو دیکھیں ملک و جاہ کے
طفل کتب رہتے ہیں گنبد میں بسم اللہ کے

دل غش لب جان بخش پہ جا طرۂ مشکیں پہ ہے
عیسائی اپنے دین پہ ہے موسائی اپنے دین پہ ہے

کیا تاب دل جلوں سے جو برق لاگ رکھے
دوزخ بھی ہو تو اُن کی جلموں پہ آگ رکھے

ہوس میں کعبے کے کیوں شیخ بتخانے سے گمراہ ہے
یہاں تو کوئی صورت بھی ہے واں اللہ ہی اللہ ہے

مقابل اُس رخِ روشن کے گر شمع ہو جائے
صبا وہ دھول لگائے کہ بس سحر ہو جائے

اُٹھاتا عشق میں کیوں ہے اے دلِ ناداں جو کھوں ہے
ابھی تو مال جو کھوں ہے پھر آگے جان جوکھوں ہے

ہمیشہ کام تھا مجنوں کا تو صحرا نوردی سے
بسایا خانۂ زنجیر پہنے پائے مردی سے

خاک اُڑاتا دشت میں گر تیرا سودائی پھرے
پھر بگولا ہی تو کیا آندھی بھی بولائی پھرے

کیا کہوں اُس ابروئے پیوستہ کے دل بسمیں ہے
ایک طعمہ مچھلیاں دو کشمکش آپس میں ہے

عزیزو ناقۂ لیلیٰ کے دیکھو گے شتر غمزے
اگر مجنوں کو ملجائیگی خدمت سارباں کی

کیا ہم سخنی کرتا ہے اُس گل کے دہن سے
غنچے سے یہ کہدو کہ چٹاک جائے چمن سے

ذکر کچھ چاک جگر سینے کا سن سن اپنے
کرکے میں ضبط ہنسی بخیوں ہوں ناخن اپنے

کون سے دن نگہ تیر نہ خوں ریز رہی
مجھ پہ ظالم تری ہر روز چھری تیز رہی

لاشے کو پھینک دیجیے میرے کہ دفن کیجیے
مردہ بدست زندہ جو چاہیے سو کیجیے

معلوم ہوا بینی و ابروے بتاں سے
ایک تیر ہے گویا کہ ملا ہے وو کماں سے

گاہ تھی خلق اُس دم پر یہ حیران پڑی آواز تھی
گاہ یہ غل کہ سنائی دیتی کان پڑی آواز تھی

بیقراری کا سبب ہر کام کی اُمید ہے
نا امیدی ہو تو پھر آرام کی اُمید ہے

موذّن مرحبا بروقت بولا
تیری آواز مکے اور مدینے

بلا سے ہووے مرا مرغ نامہ بر بھوکا
کہ اُس کو دیکھ کے وہ منہ سے خوشخبر تو کہے

گر دکھادوں عالم اپنے نالہ ہائے زار کا
کام لوں ہر تار مو سے تار موسیقار کا

جاتے ہیں اب تو کوئے بت لالہ فام کو
اپنا تو بس سلام ہے دار السلام کو

کہے ایک جب سن لے انسان دو
کہ حق نے زباں ایک دی کان دو

لے نگاہِ مہر سے دل مست چشم قہر دیکھ
گر دیئے سے جو مرے تو دی نہ اُسکو زہر دیکھ

اڑ لئے یوں جادو گر بلا سے ہم نہیں ڈرتے | پر اپنا دم ہوا ہوتا ہے اُس چشمِ افسوں سے

زباں کھولیں گے مجھ پر بدزباں کیا یہ شیخی سے | کہ ہم نے خاک بھر دی اُن کے منہ میں خاکساری سے

بوسہ کے مانگتے ہی پھیرنے چتون کو لگے | ایسے کیا لعلِ لب غیرتِ گلشن کو لگے

جم جائے خاک خشی و چشمِ بتاں تے گھانس | لیکن ہرن کھڑی نہ رہے بن ہری ہوئے

واہ وا کیا معتدل ہے باغِ عالم کی ہوا | مثلِ نبضِ صاحبِ صحت ہے ہر موجِ صبا
ہے گلوں کے حق میں شبنم مرہمِ زخمِ جگر | شاخِ بشکستہ کو ہے باران کا قطرہ مومیا
ہو گیا موقوف سودا کا بالکل احتراق | لالہ بے داغِ سیاہ پانے لگا نشو و نما
ہو گیا زائل مزاجِ دہر سے یاں تک جنوں | بیدِ مجنوں کا بھی صحرا میں نہیں لگتا پتا
ہر مزاجِ بلغمی میں ہوتی ہے تولیدِ خوں | چاندنی کا پھول ہو گر ارغوانی ہے بجا
پائی یہ اصلاح صفرا نے کہ دنیا میں کہیں | زرد چشم اب دیکھنے کو بھی نہیں ہے کہربا
ہوتا ہے لطفِ ہوا سے اسقدر پیدا لہو | برگ میں ہر نخل کے سرخی ہے جوں برگِ حنا
راحت و آرام کا اس دور میں ہے دور دور | چاہیئے واقف نہو دوران سے آسیا
موتیا بند آنکھ میں اپنی جو رکھتی تھی صدف | اب رکھے ہے روشنی مثلِ دلِ اہلِ صفا
فرق چاہا یاں تک اعضائے بدن سے درد نے | درد کے جو حرف ہیں وہ آپ بھی ہیں سب جدا
لاغروں کو ہے کمال تاب و طاقت یہ شتاب | کیسے وہ مفتی ہلال اک شب میں ہو بدرالدجیٰ

صبح صادق کے ہے گو سر میں سپیدی آگئی
لیکن اس پیری میں بھی صادق ہے ایسی اشتہا

بھوک کی شدت سے اسکو اک نفس فرصت نہو
قرص ہے خورشید کے جبتک کرے ناشتا

رات بھر ٹھونگا کیا انجم کے دانے چرخ پیر
پھر جو دیکھا صبح کو اصلا شکم میں کچھ نہ تھا

پہونچی یہ تفتیح کی نوبت کہ نوبجا نہیں۔
لیتی ہے جی کھولکر کیا کیا ڈکاریں کرتا

کوس پھولا ہے خوشی سے نفخ کا کیا دخل ہے
جوں حباب اسکے نہیں مطلق شکم میں امتلا

ہضم کامل اسقدر معدے کو پہنچا یا بہم
جید الکیموس ہے جو حلق سے اترے غذا

ہے مزاجِ اہلِ عالم یہ قریبِ اعتدال
ساتوں اقلیمیں ہیں گویا اب بخطِ استوا

رکھیگا تعویذ اور گنڈا کوئی کیوں اپنے پاس
باغِ عالم میں یہی عالم جو صحت کا رہا

دیگا طاؤس اپنے بال و پر سارے نقش محو
پھینکدے گی فوراً گر گنڈا گلے کا فاختا

اسقدر جاتی رہی عالم سے بیماری کہ آج
نام گلشن میں نہیں ہے نرگسِ بیمار کا

واقعی کسطرح سے صحت نہ اک عالم کو ہو
جبکہ ہوا اسکی نویدِ غسلِ صحت جانفزا

وہ ولیعہدِ زماں مرزا محمد بو ظفر
اسکی قوت گر ضعیفوں کو بناوے اقویا

ناسخ

کیا اثر میری سیہ بختی کے آگے نور کا
ماہ ہے اک خالِ رخسارہ شبِ دیجور کا

مجھے اول خانۂ زنداں میں تھا مجنوں تو کیا
ہر محل میں پہلے ہوتا ہے گذر مزدور کا

ہجر میں ساغر سے آئی مجھکو ساقی بوئے خوں
بادہ کھچوایا ہے شاید زخم کے انگور کا

اُسپہ آفت نہیں منہ سوئے خدا ہے جس کا
طائرِ قبلہ نما کاہے کو بسمل ہوگا

کوئی غارتگر نہیں دیوانِ دل کے اسباب کا
خانۂ زنجیر کو کچھ غم نہیں سیلاب کا

جس جگیں دیکھتا ہوں میں اُبل آتے ہیں اشک
میری آنکھوں میں ہے عالم معدنِ سیماب کا

حال لکھتا ہوں دیدۂ تر کا -
موجِ دریا ہے تارِ مسطر کا

مرغِ دل تب سے آپکا ہے صید
کہ اڑاتے تھے پر کبوتر کا

لاغری سے مرے سراپا میں -
طور ہے سایۂ پیمبر کا

دیکھا جو دوپہر کو جلال آفتاب کا
آیا ہمیں خیال کسی کے نقاب کا

ہر ہر قدم پہ پھوٹتے جاتے ہیں آبلے
نقشِ قدم میں طور ہے چشمِ پُر آب کا

کہتے ہیں تیرے عارض و قامت کو دیکھکر
مارا ہے چشم مست نے تیغ سے سوم ہیں ہم

بالائے سرو پھول کھلا ہے گلاب کا
نرگس کے پھول اور پیالہ شراب کا

کافر ایسا ہے وہ نازک وہیں ہوتا بدمست
اے بتو ہوتی اگر مہر و محبت تم میں

گذر اسکا جو کبھی زیر مغیلاں ہوتا۔
کوئی کافر بھی نہ واللہ مسلماں ہوتا

نہ نکلی بات منہ سے کھلکے اک تلوار قاتل کی۔

دہانِ زخم نے گویا میرا زخم وہاں باندھا

ہے طلب اسقدر نفرت کہ رہتا ہے خیال
آدمی کو عشق نازیبا ہے زلف و خال کا۔

آنجائے لفظ لب پر باب استفعال کا
جانور ہوتا ہے قیدی دانہ کا اور جال کا

موہیں جو ہر ایک تیغ ابروئے خمدار میں
ہے گماں خط کا جسے تجھپر ہوا اسکا روسیاہ

ورنہ وہ بیکار ہے ہو بال جس تلوار میں
پڑگیا ہے عکس زلف آئینۂ رخسار میں

نہیں ہے سبزۂ خط عارضِ محبوب روشن پر
جہاں میں تیرہ دل جو ہیں وہی ہیں بیچ ہٹتے ہیں

ہوئے ہیں جمع پروانے یہ آکر شمع روشن پر
کہ نازل ہوتی ہے آفت ہوا کی شمع روشن پر

کب سبکدوش ہے قیدی زندانِ وطن
جو ضعیفوں کو ستائیگا سزا پائیگا۔

بوئے گل پھاندتی ہے باغ کی دیوار ونکو
آپ دکھپاتے ہیں جو روندتے ہیں خاروں کو

لختِ دل غنچوں سے پیدا ہو برنگِ گل گل — گر ہمارے ابرِ مژگاں سے گلستاں سبز ہو
قم باذنی ہر دل مردہ کو ہے آواز نے — آبِ حیواں سے خداوندا میتاں سبز ہو

تشنگی میں گر مرا حلق اے سکندر خشک ہو — آئینہ سے چشمۂ حیوان فزوں تر خشک ہو
جو کہ ظالم ہے وہ ہرگز تر زباں ہوتا نہیں — کیوں نہ خونریزی سے آبِ تیغ و خنجر خشک ہو

گر صفائے دل تجھے منظور ہے کر حبسِ دم — دم سے ہوتا ہے ارے غافل ضرر آئینہ کو

حاجت نہیں نماز کی مستی میں زاہدا — کیا مرتبہ دیا ہے خدا نے شراب کو
محشر کے روز دامنِ تر کام آئے گا — رکھا ہے آفتاب کی خاطر سحاب کو

آئینہ میں زلفِ پرشکن میں آئینہ — یہ حلب میں مشک ہے وہ ہے ختن میں آئینہ
سنکے سرخی لعلِ جاناں کی یہ رنگت اڑ گئی — ہر عقیق سرخ ہے ملکِ یمن میں آئینہ
کر دیا حیراں سے تیرے رقص نے اے رشکِ گل — ہو گیا طاؤس کا ہر پر چمن میں آئینہ
ہیں وہی آزاد ناسخ ہے نہ گھر جن کا نہ — جو کھٹا لگتے ہی غرقہ ہے رسن میں آئینہ

کیا ہے آگ سے مچھلی کو پیدا — یہ اعجازِ کفِ رنگیں عیاں ہے

اہلِ غنا کے ساتھ ہے جو سرفراز ہے — مردوں پہ بے سجود ہمیشہ نماز ہے

مشتاق سب ہیں بدر سے افزوں ہلال کے — دنیا میں قدرداں نہیں صاحب کمال کے

سبزۂ آئینہ نہیں عکسِ خطِ صیاد سے — نکلی ہے طوطی مقرر بیضۂ فولاد سے

دم انتظار میں نکلا تب آیا ہے جواب — جوابِ نامہ ہوا نامہ کا جواب مجھے

اے روسیاہ رقیب تو ڈر میری آہ سے — بجلی کو لاگ ہوتی ہے رنگ سیاہ سے

محبت زیست بھر مجھکو تھی اک زہرہ شمایل سے — مرے لاشے کو دینا غسل آبِ چاہِ بابل سے

ہوں وہ مےکش کہ نہ پیتی ہیں کبھی راز کبھی — لاکھ قلقل کرے شیشہ مجھے میخانہ میں —

مومن

محو مجھ سا دم نظارۂ جاناں ہوگا
آئینہ آئینہ دیکھے گا تو حیراں ہوگا

خواہش مرگ ہوا تنا نہ ستانا ورنہ
دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا

درد ہے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری۔
چارہ گر ہم نہیں ہونیکے جو درماں ہوگا

غیر عیادت سے بُرا مانتے
قتل کیا آن کر اچھا کیا

اُن سے پری وش کو نہ دیکھے کوئی
مجھکو میری شرم نے رسوا کیا

غیر آکر قریب خانہ رہا!!
شوق اب تیرے آنے کا نہ رہا

تیرے پردہ نے کی یہ پردہ دری
تیرے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا

بات شبکو اُس سے منع بیقراری پر بڑھی
میں تو سمجھا اور کچھ وہ اور کچھ سمجھے تھا

کیا تمنے قتل جہاں اِک نظر میں۔
کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا

جو بچ جائے اُس بے وفا سے تو جانوں
کہ دل پر نہیں زور چلتا کسی کا

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

ذکرِ شراب و حور کلامِ خدا میں دیکھ — مومن میں کیا کہوں مجھے کیا یاد آگیا

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس — آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا
گر بہائے خونِ عاشق ہے وصال — انتقامِ زحمتِ جلاد کیا

روزِ جزا جو قاتلِ دلجو خطاب تھا — میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا
وہ چشمِ انتظار کہاں باز بعد مرگ — دیکھا تو ہمنے آنکھ نہ لگنا بھی خواب تھا
وقتِ وداع بے سبب آزردہ کیوں ہے — یوں بھی تو ہجر میں مجھے رنج و عذاب تھا

خود گلا کاٹ موا جبکہ میں بسمل نہ ہوا — اُنکو آساں نہ ہوا جو مجھے مشکل نہ ہوا
خود چھپانے کو میری لاش سے کہتا ہے وہ شوخ — مجھکو یہ غم ہے کہ میں کیوں تیرا قاتل نہ ہوا

دھو دیا اشکِ ندامت نے گناہوں کو مرے — تر ہوا دامن تو بارے پاک دامن ہو گیا

مہتاب کا کیا رنگ کیا دودِ فغاں نے — احوال شبِ تار سے روشن ہے ہمارا

پوچھنا حالِ یار ہے منظور — میں نے ناصح کا مدعا جانا -
مے نہ اُتری گلے سے جب اُس بن — مجھکو یاروں نے پارسا جانا -

دھیان ہے عنبر کے تحمل کا ‖ ہوش دیکھا تیرے تغافل کا

نکہت اُس زلف کی صبا میں نہو ‖ اُڑ گیا رنگ بوئے سنبل کا

نالۂ شب نے یہ ہوا باندھی ‖ کر دیا گُل چراغ بُلبل کا

وہ ہے خالی تو یہ خالی یہ بھرے تو وہ بھرے ‖ کاسۂ عمر عدو حلقۂ آغوش ہوا

گر یہی بیخودی ہے صہبا میں ‖ کون مشتاق سلسبیل ہوا

ہم جان فدا کرتے گر وعدہ وفا ہوتا ‖ مرنا ہی مقدر تھا وہ آتے تو کیا ہوتا

اچھی ہے وفا مجھسے جلتے ہیں جلیں دشمن ‖ تم آج ہوا سمجھو جو روز جزا ہوتا

ہے بےخودی دائم کیا شکوۂ تغافل کا ‖ جب میں نہ ہوا اپنا وہ کیونکر مرا ہوتا

دیوانے کے ہاتھ آیا کب بند قبا اُسکا ‖ ناخن جو نہ بڑھ جاتے تو عقدہ یہ وا ہوتا

ہم بندگئ بت سے ہوتے نہ کبھی کافر ‖ ہر جائے گر اے مومن موجود خدا ہوتا

سچ ہے کافر تیری تقریر سے کیونکر نہ جلیں ‖ شعلۂ آتش دوزخ ہے زبان اے واعظ

کس ضبط پر شرارفشاں ہے فغان شمع ‖ اک برق تھی جو لال نہوتی زبان شمع

اے سوز گریہ آگے تیری آب و تاب کے ‖ پانی بھرے ہے جلوۂ آتش فشان شمع

اب اور سے لو لگائیں گے ہم ‖ جوں شمع تجھے جلائیں گے ہم

خنجر تو نہ توڑ سخت جانی	پھر کس کو گلے لگائیں گے ہم
دشمن کے کہے سے روٹھتا ہے	وہ ہی کہے تو منائیں گے ہم
بتخانۂ چین ہو گر تیرا گھر	مومن ہیں تو پھر نہ آئیں گے ہم
دعوئے حسن جہاں سوز اسقدر	پھر کہو گے تم ہیں ہر جائی نہیں
ذرا سمجھو تو جان ہیں وصل غیر پر ہم دم	میری جان کون ہے یہ کسکی جھوٹی کھاتے ہو قسمیں
وہم آتا ہے فغان ہجر کوئے یار کا	صور اسرافیل ہے قمری تیری کو کو نہیں
ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا	جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں
منظور ہو تو وصال سے بہتر ستم نہیں	انتا رہا ہوں دور کہ ہجر ازکا غم نہیں
کون کہتا ہے کہ ہم عشق عدو بھرتے ہیں	کہ ہوا باندھنے کو آہ کبھو بھرتے ہیں
اس ستمگر سے مگر آنکھ لڑی ہے کہ حباب	کیسے کچے گھڑے پانی لب جو بھرتے ہیں
کشتۂ یار ہوں اس رشک سے مرتا ہے جہاں	وہ بھی کیا ہیں جو میری موت کا غم کرتے ہیں
ناصح سے مجھکو کیونکہ نہوں بدگمانیاں	دشمن ہیں جو میرے وہ تیرے دوستدا ہیں

کہنا پڑا مجھے پہ ہے الزام پند گو
وہ ماجرا جو لایق شرح و بیاں نہیں

میں اپنی چشم شوق کو الزام خاک دوں
تیری نگاہ شرم سے کیا کچھ عیاں نہیں

جلتا ہوں ہجر شاہد و یاد شراب میں
شوق ثواب نے مجھے ڈالا عذاب میں

مضمون بسمل انکے کہوں کیا عتاب میں
قاصد کی لاش آئی ہے خط کے جواب میں

پیہم سجود پائے صنم پر دم وداع
مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں

باتیں تیری وہ ہوش ربا ہیں کہ کیا کہوں
جو کوئی راز داں ہے میرا راز داں نہیں

جلا جاتا ہوں سوز رشک سے مانند پروانہ
جلا مت اور کو تو گرچہ میری شمع تربت ہو

آنکھوں سے حیا ٹپکے ہے انداز تو دیکھو
ہے بوالہوسوں پر بھی ستم ناز تو دیکھو

محفل میں مرے ذکر کے آتے ہی اٹھے وہ
بدنامیٔ عشاق کا اعزاز تو دیکھو

ہمارا غش تو کیا مر جائیں تو بھی
نہ کھولے طرۂ عنبر فشاں کو

لکھو سلام غیر کے خط میں غلام کو
بندہ کا بس سلام ہے ایسے سلام کو

عزم سفر جہاں سے کروں کیا شب فراق
میں جانتا ہوں چین کہاں تھا جہاں نہو

یہ جاما پارہ پارہ تڑپنے سے ہو گیا — صبح شب فراق ہے تو بدگماں نہو

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی — آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

خوشی نہو مجھے کیونکر قضا کے آنیکی — خبر ہے لاش پہ اُس بیوفا کے آنیکی
ہے ایک خلق کا خوں سر پہ ٹپک خون کئے ہیرے — سکھائی طرز اُسے دامن اُٹھا کے آنیکی
سمجھ کے اور ہی کچھ مر چلا ہیں اے ناصح — کہا جو تو نے نہیں جان جا کے آنیکی

قتل ہو کر ہم بچے آزار سے — ہجر کے دن کٹ گئے تلوار سے
گر نہ کھیلیں جان پر جی ہارویں — عشقبازی سیکھئے اغیار سے

حسن روز افزوں پہ غمزہ کس لئے ابھی بار بار — یوں ہی گھٹتا جائیگا جتنا کہ بڑھتا جائے ہے
ابتو مرجانا بھی مشکل ہے تیرے بیمار کو — ضعف کے باعث کہاں تک اٹھا جائے ہے

قلقِ دل سے ہے جنبش تیرے پیکانوں کو — پوچھ مت حال کہ برچھے سے ہیں ہیں چھرے

پامال اک نظر میں قرار و ثبات ہے — اس کا نہ دیکھنا نگہ التفات ہے
پیغام بر رقیب سے ہوتے ہیں مشورے — سنتا نہیں کسیکی یہ کہنے کی بات ہے

نہ دیتا بوسہ پا گو فلک جھکتا زمیں پر ہے
کہ یہ جتنا زمیں کے نیچے ہو اُتنا زمیں پر ہے

خیالِ خوابِ راحت ہے علاج اس بدگمانی کا
وہ کافر گور میں مومن مرا شانہ ہلاتا ہے

غیر سے بے حجاب ملتے ہو
شب عاشق سحر نہ ہو جائے

رشکِ پیغام ہے عناں کش دل
نامہ بر راہبر نہ ہو جائے

نہ انتظار میں یاں آنکھ ایک آن لگی
نہ ہائے ہائے میں تالو سے شب زبان لگی

جلا جگر تپِ غم سے پھڑکنے جان لگی
الٰہی خیر کہ اب آس پاس آن لگی

وہ بدخواہ مجھسا تو میرا نہیں
عبث دوستی تم کو دشمن سے ہے

شبِ غم موئے شمع کو دیکھکر
ہمیں خجلت اس شوخِ بدظن سے ہے

شب تم جو بزمِ غیر میں آنکھیں چرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

نہو وہ بات کہ جس سے وفا میں آئے خلل
کہیں نہ بھیجیو ناصح سے شرمسار مجھے

رقیب کھائے قسم تو وفا کا آئے یقین
تو میری جان سے ہے کیا تیرا اعتبار مجھے

نہ ربط اُس سے نہ یاری آسماں سے
جفا بہر عدو لاؤں کہاں سے

میرے گھر آپ یوں چلتے تھے کس دن
اٹھانا مدعا ہے آستاں سے

بُرا انجام ہے آغاز بد کا
جفا کی ہو گئی خو امتحاں سے

خدا کی بے نیازی ہائے مومن
ہم ایماں لائے ہیں ناز بتاں سے

غالب

درد منت کش دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بدمزا نہ ہوا

تیرے وعدہ پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھکو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

چھوڑا مہ نخشب کیطرح دست قضا نے
خورشید ہنوز اس کی برابر نہ ہوا تھا

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

تجھے قسمت میں میری صورت قفل ابجد
تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

ضعف سے گریہ مبدل بدم سرد ہوا
باور آیا ہمیں پانیکا ہوا ہو جاتا

زہر ملتا ہی نہیں مجھکو ستمگر ورنہ
کیا قسم ہے تیرے ملنے کی کہ کھا ہی نسکوں

ہمپر جفا سے ترک وفا کا گمان نہیں
اک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحان نہیں

ہم کو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز
نامہربان نہیں ہے اگر مہربان نہیں

نقصان نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب
سو گز زمین کے بدلے بیابان گران نہیں

کل کے لئے کر آج نہ خسّت شراب میں
یہ سوے ظن ہے ساقیے کوثر کے باب میں

حیران ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا
دی ہے جاے دہن اسکو دم ایجاد نہیں

سر اڑانے کے جو وعدہ کو مکرر چاہا
ہنس کے بولے کہ تیرے سر کی قسم ہے مجھکو

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغان کہتے ہو
ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے مجھکو

غلط ہے جذب دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے
نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیان کیوں ہو

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانیکو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جسکے دشمن اسکا آسمان کیوں ہو

عشق مجھکو نہیں وحشت ہی سہی
میری وحشت تیری شہرت ہی سہی

ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے
غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

نقش کو اُسکے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں
کھینچتا ہے جسقدر اُتنا ہی کھنچتا جائے ہے

گرچہ ہے کس کس بُرائی سے ولے با اینہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے

جلوہ زارِ آتشِ دوزخ ہمارا دل سہی
فتنۂ شورِ قیامت کس کے آب و گل میں ہے

ہے دلِ شوریدۂ غالب طلسمِ پیچ و تاب
رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

خوب ہوتا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ
کہ بھلا چاہتے ہیں اور بُرا ہوتا ہے

قدر سنگِ سرِ رہ رکھتا ہوں
سخت ارزاں ہے گرانی میری

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے
یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی
مُنہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے

نکتہ چیں ہے غمِ دل اسکو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا
ہاتھ آئیں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے

وعدہ آنے کا وفا کیجے یہ کیا انداز ہے
تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

بھولے نہیں ہیں سیر گلستاں کی ہم ولے
کیونکر نہ کھائیے کہ ہوا ہے بہار کی

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا
اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

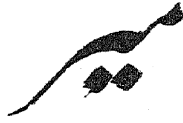
ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی
کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

یہ نعش بے کفن اسدِ خستہ جان کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

اسد بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
تو مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر





شرمندہ تیرے منہ سے ہے رخسار پری کا
چلتا نہیں کچھ آگے ترے کبک دری کا
ٹک میر جگر سوختہ کی یار خبر لے
کیا یار بھروسا ہے چراغِ سحری کا

قامت خمیدہ رنگ شکستہ بدن نزار
تیرا تو غم میں میر عجب حال ہو گیا

رکھ ہاتھ دل پہ میر کے دریافت کر کیا حال ہے
رہتا ہے اکثر یہ جواں کچھ ان دنوں بیتاب سا

کیونکہ نقاشِ ازل نے نقش ابرو کا کیا
کام ہے اک تیرے منہ پر کھینچنا شمشیر کا
کس طرح سے مانئے یاراں کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اڑا جاتا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو میر کا

سبحہ گرداں ہی میر ہم تو رہے
دست کوتاہ تا سبو نگیا

اتنی گذری جو ترے ہجر میں سو اس کے سبب
صبر مرحوم عجب مونسِ تنہائی تھا

نالۂ میر نہیں رات سے ہم سنتے ہیں
کیا ترے کوچہ سے اے شوخ وہ رنجور گیا

نہ دیکھا میر آوارہ کو لیکن
غبار اک ناتواں سا کو بکو تھا

دل مجھے اُس گلی میں لیجا کر
اور بھی خاک میں ملا لایا
اب تو جاتے ہیں بتکدہ سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

چارۂ عشق بجز مرگ نہیں کچھ اے میر
اس مرض میں ہے عبث ذکر تمہیں دوا کا

وہ پہلی التفاتیں ساری فریب نکلیں
دینا نہ تھا دل اُس کو میں میر آہ چوکا

آنکھوں میں جی میرا ہے ادھر یار دیکھنا
عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا
گر زمزمہ یہی ہے کوئی دن تو ہمصفیر
اس فصل ہی میں ہمکو گرفتار دیکھنا

عاشق ہیں ہم تو میر کے بھی ضبط عشق کے
دل جل گیا تھا اور نفس لب پہ سرد تھا

گئی تسبیح اُس کی نزع میں کب میر کے دل سے
اُسی کے نام کی سمرن تھی جب منکا ڈھلکتا تھا

تیرے کوچہ کے رہنے والوں نے
یہیں سے کعبہ کو سلام کیا

عشقِ خوباں کو میر میں اپنا
قبلہ و کعبہ و امام کیا

اب تو جاتا ہے ہی کعبہ کو تو بتخانہ سے	جلد پھریو تجھے اے میر خدا کو سونپا
کہتے ہیں ضائع کیا اپنے تئیں	میر تو دانا تھا یہ کیا کر گیا!
میر صاحب رُلا گئے سب کو	کل وہ تشریف یہاں بھی لائے تھے
عشق کا گھر ہے میر سے آباد	ایسے پھر خانماں خراب کہاں
خدا کو کام تو سونپے ہیں میں نے سب لیکن	رہے ہے خوف مجھے واں کی بے نیازی کا
بیمار تو نہووے جیتے جبتلک کہ میر	سونے نہ دے گا شور تیری آہ آہ کا
شریفِ مکہ رہا ہے تمام عمر اے شیخ	یہ میر اب جو گدا ہے شراب خانیکا
میر بھی کیا مست طافح تھا شرابِ عشق کا	لب پہ عاشق کے ہمیشہ نالۂ مستانہ تھا
دل خراشی و جگر چاکی و خون افشانی	ہوں تو ناکام پہ رہتے ہیں مجھے کام محبت
سر اُٹھاتے ہی ہو گئے پامال	سبزۂ نو دمیدہ کی مانند
میر صاحب بھی اُس کے ہاں تھے لیک	بندۂ زر خریدہ کی مانند

میر کیا بات اُس کے ہونٹوں کی
جینا دو بھر ہوا مسیحا پر

میر صاحب ہی چوکے لے بد عہد
ورنہ دینا تھا دل قسم لیکر

آہ و نالہ مت کیا کر اسقدر بیتاب ہو
اے ستمکش میر ظالم ہے جگر بھی دل کے پاس

اللہ رے عندلیب کی آوازِ دلخراش
دم ہی نکل گیا جو کہا اُس نے ہائے گل

مؤا جس کے لئے اُس کو نہ دیکھا
نہ سمجھے میر کا کچھ مدعا ہم

جل گیا جی نجات کے غم میں
ایسی جنت گئی جہنم میں

کل تک تو ہم وہ ہنستے چلے آتے تھے بہم
مرنا تو میر جی کا تماشا سا ہو گیا

شرمندہ ہو گئے ہیں رہنے بھی دو امتحان کو
رکھیگا تمسے کون عزیز اپنی جان کو

آنکھوں نے میر صاحب قبلہ ورم کیا
حضرت بکا کیا نہ کرو رات کے تئیں

بوقتِ الوداع اُس دلربا کو
نہ سونپا بدگمانی سے خدا کو

عاشق ہے یا مریض ہے پوچھو تو میر سے
پاتا ہوں زرد روز بروز اس جوان کو میں

ہوا ہوں خاکِ رہ اس واسطے کہ خوبانِ میر
گذار گور پہ میری وہ ایک بار کریں

بیقراری جو کوئی دیکھے ہے سو کہتا ہے
کچھ تو ہے میر کہ دم بھر تجھے آرام نہیں

تیری ہی جستجو میں گم ہوا ہے کہیں کھویا
جگر خوں گشتہ دل آزردہ میر اس خانہ ویراں کو

دل صاف ہو تو جلوہ گر یار کیوں نہو
آئینہ ہو تو قابلِ دیدار کیوں نہو
تلوار کے تلے بھی ہیں آنکھیں تیری اُدھر
تو اس ستم کے میر سزاوار کیوں نہو

رات ساری تو کٹی سنتے پریشاں گوئی
میر جی کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو

شور و شغب سے راتوں کے ہمسایہ تمھارے کیا سوویں
ایسے فتنے کتنے اٹھینگے میر جی تم جو سلامت ہو

کہنے سے میر اور بھی ہوتا ہے مضطرب
سمجھاؤں کب تک اس دلِ خانہ خراب کو

میر کو کیوں نہ مغتنم جانیں
اگلے لوگوں میں اک رہا ہے یہ

میر اُسکو جانکر تو بے شبہ ملیو رہرو
صحرا میں جو تمدمو بیٹھا کوئی جوان ہے

اِس کے نزدیک کچھ نہیں عزت
میر جی یوں ہی خوار ہوتے ہیں

حسرت اُس کی جگہ تھی خوابیدہ
میر کا کھولکر کفن دیکھا

خوش رہا جب تلک رہا جیتا
میر معلوم ہے قلندر تھا

نامرادانہ زیست کرتا تھا۔
میر کی وضع یاد ہے ہمکو

اُٹھے ہے گرد کی جا نالہ گور سے اُسکی
غبارِ میر بھی عاشق ہے نے سوار و نکا

کبھی میر اسطرف آکر جو چھاتی کوٹ جاتا ہے
خدا شاہد ہے اپنا تو کلیجہ ٹوٹ جاتا ہے

تم تو بیٹھے ہی بیٹھے آفت ہو
اُٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو

ہوگا کسی دیوار کے سایہ میں پڑا میر
کیا کام محبت سے اُس آرام طلب کو

میر چاہے ہیں تمہیں تم انہیں چاہو سو کہو
اور ہم لوگ تو سب انکا ادب کرتے ہیں

حسن تو ہے ہی کر لطفِ زباں بھی پیدا
میرؔ کو دیکھو کہ سب لوگ بھلا کہتے ہیں

کفر کچھ چاہیئے اسلام کی رونق کیلئے
حسن زنار ہے تسبیح سلیمانی کا

کعبہ میں جاں بلب تھے ہم دوریِ بتاں سے
آئے ہیں پھر کے یارو اب کے خدا کے ہاں سے

نہیں ہے مرجعِ آدم اگر خاک
کدھر جاتا ہے قدِ خم ہمارا

غیرت سے میرؔ صاحب سب جذب ہو گئے تھے
نکلا نہ بوند لوہو سینہ جو اُن کا چیرا

دم بھر نہ ٹھہرے لمبیں نہ آنکھوں میں ایک پل
اُٹھنے سے قد پہ تم بھی قیامت شریر ہو
اِک وقت خاص حق میں مرے کچھ دعا کرو
تم بھی تو میر صاحب و قبلہ فقیر ہو

کیسا چمن اسیری میں کس کو ادھر خیال
پرواز خواب ہو گئی ہے بال و پر خیال

کرتے ہی نہیں ترکِ بتاں جور و جفا کا
شاید ہمیں دکھلائیں گے دیدار خدا کا

سرمگیں آنکھیں شرم آلود خاک میں ہمکو ملائینگی
کیا یہ نگاہیں نیچی نیچی اوپر اوپر جائینگی

بے خودی پر نہ میر کی جاؤ | میں نے دیکھا ہے اور عالم میں

اعجاز منہ تکے ہے تیرے لب کے کام کا | کیا ذکر یاں مسیح علیہ السلام کا

ہوتے ہو بے دماغ تو دیکھو ہو اُس طرف | غصہ ہی ہمپہ کاشکے اکثر رہا کرو

ایسے بتِ بے پیر سے ملتا بھی ہے کوئی | دل میر کو بھاری تھا جو پتھر سے لگایا

ہم خاک میں ملے تو ملے لیکن اے سپہر | اُس شوخ کو بھی راہ پہ لانا ضرور تھا

عدم میں ہمکو یہ غم رہیگا کہ اوروں پہ اب ستم رہیگا | تمہیں تو لت ہے ستانے ہی کی کسو پہ آخر جفا کرو گے

قتل کیے پر غصہ کیا ہے لاش میری اُٹھوا دو | جان سے ہم بھی جاتے رہے ہیں تم بھی آؤ جانے دو

بندھا رات آنسو کا کچھ تار سا | ہوا ابر رحمت گنہگار سا

مر گئے لیکن نہ دیکھا تو نے ہرگز آنکھ اُٹھا | آہ کیا کیا لوگ ظالم تیرے بیماروں میں تھے

رہتی ہیں اسکی آنکھیں آنکھوں تلے ہمیشہ | رہتا ہے آب دیدہ یاں تا گلے ہمیشہ

حلقے آنکھوں میں پڑ گئے منہ زرد
ہو گئی میر تیری کیا صورت

آئے جو ہم تو اُسنے آنکھوں میں ہم کو رکھا
اہل ہوس سے کوئی اُدھر کو جا تو دیکھے

پھر گئیں آنکھیں تم نہ آن پھرے
دیکھا تم کو بھی واہ وا صاحب

آنکھ میں چوب آئی نرگس کے
چشم بلبل صبا لگا گھس کے

میر آؤ گے آپ میں بھی کبھی
سخت مشتاق ہیں تمہارے ہم

درپئے خونِ میر کے نہ رہو
ہو بھی جاتا ہے جُرم آدم سے

حرم کو ہم گئے یا بتکدے کو
جہاں دیکھا وہاں پتھر پڑے ہیں

تھمتے ہی تھمینگے میر آنسو
رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے



سودا

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں

ٹوٹے تیری نگاہ سے اگر دل حباب کا
پانی بھی پھر پئیں تو مزا ہے شراب کا

نے بلبلِ چمن نہ گلِ نو دمیدہ ہوں
میں موسمِ بہار میں شاخِ بریدہ ہوں

تو ہی کچھ اپنے سر پہ نہ یاں خاک کر گئی
شبنم بھی اس چمن سے صبا چشم تر گئی
مت پوچھ یہ کہ رات کٹی کیونکہ تجھ بغیر
اس گفتگو سے فائدہ پیارے گذر گئی

جب اس چمن میں چھوڑ کے ہم آشیاں چلے
اک ہمصفیر نے بھی نہ پوچھا کہاں چلے؟
کیا لے لیا تھا ہمنے او لجھتا جو کوئی خار
جوں گل ہم اس کے باغ سے دامن بہ چلے
غافل ہماری آہ سے رہنا نہ بے خطر
کر خوف ایسے تیر سے جو بے کماں چلے

آفتاب صبحِ محشر داغ پر دل کے دھرے
حکم رکھتا ہے طبیبو مرہم کافور کا
جو کہ ظالم ہے وہ ہرگز پھولتا پھلتا نہیں
سبز ہوتے کھیت دیکھا ہے کبھو شمشیر کا
گل مرے مشہد پہ کب بھیجے ہے وہ ابرو کماں
طرح غنچہ کی کھلے جبتک نہ پیکاں تیر کا

سوداکو بات کرتے تجھسے کبھو نہ دیکھا
کہہ کس گنہ پہ تونے وہ بے زباں مارا

نالہ سینے سے کرے عزم سفر آخر شب
راہرو چلنے پہ باندھے ہے کمر آخر شب

اسقدر شگفتہ ہے شکل کا اپنی کہ سدا
آئینہ ہاتھ میں مشرق کو نظر آخر شب

انتہا عیش جہاں کی جو تو دیکھا چاہے
بزمِ مستاں پہ نگہ غور سے کر آخر شب

ٹک سادہ دلی پر تو مرے رحم کر اے یار
ہوں تجھ سے ستمگر کو طلبگار محبت

ہوں گئے پامال رہا ہمکو نہ کر اے صیاد
مشق پرواز نہیں تا سر دیوار ہنوز

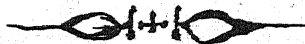
قیس و فرہاد کے ماتم سے تو جگ میں اب تک
دشت میں خاک بسر روتے ہیں کہسار ہنوز

ساقی گئے بہار رہی دل میں یہ ہوس
تو منتوں سے جام دے اور میں کہوں کہ بس

تونے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں

ہوتی نہیں ہے صبح نہ آتی ہے مجھکو نیند
جس کو پکارتا ہوں وہ کہتا ہے مر کہیں

مگر تجھسے رنجیدہ خاطر ہے سودا
اُسے تیرے کوچہ میں کم دیکھتے ہیں



درد

جی نرہے یار ہے مجھکو ادھر دیکھنا | جان پر کھیلا ہوں ہیں میرا جگر دیکھنا
گرچہ وہ خورشید رُو نت ہے میرے سامنے | تو بھی میسر نہیں بھر کے نظر دیکھنا

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نتھا | پر تیرے عہد سے پہلے تو یہ دستور نتھا

جوں چاہئے اس طرح بیاں ہمسے نہوگا | کر اپنے دہن سے ہی تو وصف اپنی کمر کا

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا - | بس ہجوم یاس جی گھبرا گیا

اے آنسوؤ نہ آئے کچھ دل کی بات منہ پر | لڑکے ہو تم کہیں مت افشائے راز کرنا

ہنس قبر پہ میری کھلکھلا کر مُڑ | دو پھول چڑھا کبھی تو آکر

ساقیا سب پکارتے ہیں گے | تیرے ہاتھوں سے یاں بریز بریز

مژگانِ تر ہوں یا رگِ تاک بریدہ ہوں | جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

کھینچے ہے دور آپ کو میری فروتنی	اُفتادہ ہوں پہ سایۂ قدِ کشیدہ ہوں
گر کہتے ہو وہی ہے آدمی ہی محصّل	تو راہ پر ہیں سب کوئی گمراہی نہیں
مرے ہاتھوں کے ہاتھوں آے عزیزاں	گریباں چاک ہے چاکِ گریباں
دل بھی تیرے ہی ڈھنگ سیکھا ہے	آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے
شمع کی مانند ہم اِس بزم میں	چشم تر آئے تھے دامن تر چلے
دیکھیو کیجیو نہ بے دردی ٹک	درد کو بھی منہ دکھانا ہے
خون ہوتا ہے دل کا یاں آ کر	مہندی پاؤں میں کیا ملی ایسی
مجھے دے کے دشنام کہنے لگا	نہ ہوگا خوش اب بھی تو بیزار سے
روندے ہے نقش پا کی طرح خلق یاں مجھے	اے عمرِ رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے
آشیانے ہیں درو بلبل کے	آتشِ گل سے آج پھول پڑا

تر دامنی پہ شیخ! ہماری نہ جائیو — دامن نچوڑ دوں تو فرشتے وضو کریں

گو سراپا ہے آب آئینہ — آپنی آنکھوں میں چشم بے نم ہے

مت عبادت پہ بھولیو زاہد — سب طفیل گناہ آدم ہے

اے سنگ جو کچھ تو نے کیا شیشہ کے حق میں — کرتا ہے کوئی بھی یہ سلوک اپنے جگر سے

مانند نگہ نکل تو باہر — تیرے تئیں تجھ تک سفر ہے



گویا

بہار نے یہ کیا گلشنِ جہاں میں اثر ۔ کہ کھنچ کے غنچہ تصویر ہو گئے گلِ تر

خوشی سے پھول جو پھولے نہیں سماتے ہیں ۔ نہال ہو گئے ہیں گلشنِ جہاں میں شجر

ہر ایک خار رہو سوزن برائے بخیہ گری ۔ بغیر لطف گریبانِ گل ہو چاک اگر

زمیں پہ گر کے نزاکت سے ہو گیا ہے کبود ۔ وگرنہ سایۂ گل تھا برنگ گل احمر

پڑا ہے عکس جو پتلی کا وقت نظارہ ۔ ہوا ہے لالہ کو وہ نازکی سے داغ جگر

صفا روش کی نہیں کچھ بیاں ہو سکتی ۔ نظر کرو تو پھسلنے لگے ہے پائے نظر

عجب نہیں ہے جو ہوں آہوؤں کی شاخیں سبز ۔ کہ اب نہالِ تصاویر میں لگے ہے ثمر

زیادہ آئینہ سے ہے صفائے ہر دیوار ۔ ادھر سے صاف نظر آئے جو کھڑا ہو اُدھر

کمال جوش پہ گلزار کی ہے رنگینی ۔ پڑے جو عکسِ گلِ تر تو لعل ہو پتھر

سیاہی دیکھ کے سنبل کی شام کا ہو گماں ۔ سمن کی دیکھو سپیدی جو جیسے صفا سحر

غلط ہے یہ جو مجھے گمان شبنم کا ۔ کہ یہ اُترتے ہیں گلگشت کے لئے اختر

ہر ایک رنگ سے یہ ہو رہی ہے نیرنگی ۔ کہ صاف بن گئے طاؤس طائران نظر

ہر ایک مرغ نوا سنج ہے جو نغمہ سرا ۔ تو تال دیتے ہیں کفہائے برگ سے بھی شجر

کریں گے کیا یہ دعوے خدائی ۔ بتوں نے منہ کو بنوایا تو ہوتا

نہ پوچھو سیر کیوں ہو زندگی سے ۔ ہماری طرح غم کھایا تو ہوتا

ہیں اشک زخموں سے میرے جاری نہیں ہوگی یہ اشکباری	بنے ہیں چشم پُرآب قاتل یہ زخم پانی چوا چوا کر
بارِ عصیاں سر پہ ہے گویا بہت	کیا اُٹھائیں سر جھکے جاتے ہیں ہم
جو چاہے رحمتِ حق عجز کر شعار اپنا	رواں ادھر کو ہے پانی جدھر کو پستی ہے
ریاضِ دہر میں ہے بعد رنج راحت بھی	کہ پھول کھلتے ہیں ہوتا ہے جب گلا قلم



نصیر

قبا دیکھی ہے پھلکاری کی شب کیں ماہ پارکی
فلک جو کاڑھنی سیکھا ہے بونٹی چاند تارکی

ہے عجب جھومر کا عالم اپنے رشکِ حور کا
سرو میں خوشہ لگا دیکھا نہ تھا انگور کا

یوں دلِ صد چاک کو مت دیدۂ تر سے سینچنا
یہ گلِ پژمردہ ہیں ان کو چھڑک کر بیچنا

خیالِ زلفِ دوتا میں نصیر پیٹا کر
گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر

مژۂ تر سے مرے اسنے نہ کی ہم چشمی
ورنہ پانی سے رگِ ابر کو پتلا کرتا

لاکھ ہم چشمی کا دم غنچہ بنا دانی بھرے
گر دہن دیکھے ترا کچے گھڑے پانی بھرے
ہے ہوا خواہی میں تو بلبل کی ہے باد صبا
گوشِ گلہائے چمن کیوں تو نے دیوانی بھرے

کیوں نہ اسکی آنکھ میں پھیرو سلائی نیل کی
دے رقیب روسیہ کاجل تمہاری آنکھ میں

کیا خاک ہوا باندھے وہ اس بحرِ جہاں میں
مانند حباب ایک نفس میں جو ہوا ہو

ہو اگر عکس خط تحریر پشت آئنہ
بول اُٹھے طوطیٔ تصویر پشتِ آئنہ

دل کا کیا مول بھلا زلف چلیپا ٹھہرے
جنبشِ لب یہ قیامت ہے کبھی اُٹھے ہم
تیری کچھ گانٹھ گرہ میں ہو تو سودا ٹھہرے
آج ایک بات ہیں تم رشکِ مسیحا ٹھہرے

ہم پھڑک کر توڑتے سارے قفس کی تیلیاں
پر نہیں اے ہمصفیرو! اپنے بس کی تیلیاں

کیا خوب کہا دل نے نئے قلیاں سے
دم عشق کا کیا بھرتی ہے اے سوختہ جاں
سرگرم فغان و شور و فریاد نہ ہو
آتی ہے تیرے منہ سے ابھی دود کی بو

مر مر کے تو پہاڑ سے لایا ہے جوئے شیر
بیاباں مرگ سے مجنونِ خاک آلودہ تن کس کا
ہوا اس میں ہے رگِ شیریں صبا کی کیا ہے
قایل ہوں کوہکن تیرے تیشہ کی دھاکا
سیئے ہے سوزنِ خارِ مغیلاں کفن کس کا
غنچہ کے آہ منہ سے کس دن [illegible] نہ آیا

زیبِ تن گرچہ ہے گل پیرہن سرخ تیرا
دسترس پاؤں تک اس شوخ کو ہی تجھکو ہیاں
لیکن انجام یہ ہوگا کفنِ سرخ تیرا
کیونکہ رتبہ نہوا اے گلبدنِ سرخ تیرا

یہ مجنوں ہے نہیں آہوئے لیلے
جسے تو سینگ سمجھے ہے یہ ہیں خار
بینکر یہ جو ستیں نکلا ہے گھر سے
لگے ہیں پاؤں میں نکلے ہیں سر سے

آتش

آنکھیں عاشق کو نہ تو اے گلِ رعنا دکھلا۔	پتلیوں کا کسی نادان کو تماشا دکھلا
رنج راحت کا میرے واسطے ساماں ہوگا۔ بعد میرے نہ گرفتار رہے گا مجھسا	مشعلِ راہ عدم داغِ عزیزاں ہوگا زلف خوباں کا بہت حال پریشاں ہوگا
کاش کر پھر بھی مجھے صیاد نے تا بو نچھوڑ	ناتواں ہوں باد کا جھوکا اڑا لیجائیگا
ہنسنے والا نہیں ہے رونے پر۔	ہمکو غربت وطن سے بہتر ہے
مردم دیدۂ قربانی ہوں میں دیوانہ	آئے دروازہ کھلے بن نہ کبھی خواب مجھے
یہ آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرتے پیامبر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا۔	ہم اور بلبل بیتاب گفتگو کرتے زبانِ غیر سے کیا شرح آرزو کرتے
آنکھیں نہیں ہیں چہرہ پہ تیرے فقیر کے	دو ٹھیکرے ہیں بھیک کے دیدار کیلئے

نہ کہہ رندوں کو حرفِ سخت واعظ | درشت اہلِ جہنم کی زباں ہے
بہت آتا ہے یاد اے صبر مسکیں | خدا خوش رکھے تجھکو تو جہاں ہے

ظرف پیدا کر جو چاہے شہرۂ آفاق ہو | نام اک عالم میں چینی نے کیا فغفور کا
دیں نہ ارباب صفا ہرگز کسی دل کو رنج | گوشۂ دامن سے اچھا جھاڑ کب بلور کا

سامنے ہوتی نہیں اُس شمع کے اپنی آنکھ | اے صبا محفل سے پروانہ کی خاکستر اُٹھا

ہو گا کبھی جو اُس رخِ روشن سے سامنا | قلعی کھلیگی آئینۂ مہرِ ماہ کی

یار کی آنکھ ہے تو آنکھ ملائی تونے | گردش چشم بھی اے نرگسِ شہلا دکھلا

مومن و کافر جگہ دیتے ہیں آنکھوں میں سے | طور کا سرمہ کسی نقشِ قدم کی خاک ہے

بھر گیا دامن نظارہ گُل نرگس سے | آنکھ اُٹھا کر جو کبھی تونے اِدھر دیکھ لیا

قاصدوں کے پاؤں توڑے بدگمانی نے مری | خط دیا لیکن نہ بتلایا نشان کوئے دوست

میری ضد سے ہوا ہے مہرباں دوست | میرے احسان ہیں دشمن پہ ہزاروں

ممنوں

بہت سوز غم نے شعلہ اٹھا کے چھوڑا
الفت کو آگ لگیو آخر جلا کے چھوڑا

تھا حسن میں نہ رنگ ادا کا نہ ناز کا۔
یہ نقش یادگار ہے آئینہ ساز کا

کشتۂ وعدہ تیرا آج سسکتے دیکھا
آہ۔ اُس وقت بھی دروازہ ہی تکتے دیکھا
ہم نہ کہتے تھے کہ ممنوں نہ بتوں کو چاہو
لیگئے ہاتھ سے دل تکتے ہی تکتے۔ دیکھا

تمنا تھا زیر لب میری شرر نگاہ دیکھ
ہم جانتے ہیں دل میں جو تیرے نہاں ہے آج

عجب آیا ہے ممنوں کو دیکھا سجدہ بت میں
کہ حسرت افسوس آیا ہمکو اِسکے دین ایماں کا

برا مانیے مت میرے دیکھنے سے
تمہیں حق نے ایسا بنایا تو دیکھا

گماں نہ کیونکہ کروں تجھ پہ دل چرانے کا
جھکا کے آنکھ سبب کیا ہے مسکرانے کا
کسی کے ہونٹ کے ملتے ہی ہم تمام ہوئے
مزا اٹھا نہ ہمیں گالیاں بھی کھانے کا
مجھے یہ درد ہے معلوم حکم بلبل ہے
نہ میری خاک پہ گر تو سمن پھول لانے کا

تبسم لب غنچہ میں دیکھ رہتا ہوں ۔ کہ ٹھیک رنگ ہے اُس خندۂ نہانی کا
نہیں بچا مرض عشق سے کوئی مجنوں ہمیں دریغ بہت ہے تیری جوانی کا

بس حنا زور آزمائی ہو چکی ۔ دلبروں سے ہاتھا پائی ہو چکی

ایک نگہ کا دور سے بھی آجکل محروم ہے دل کہ تیرا مدتوں خوکردۂ الطاف تھا
نور مہ کو شب ترا بر تنک کیا لاف تھا بال اُس مکھڑے سے اُٹھ جاتے ہی مطلع صاف تھا
چشم فتاں کب نہ آہو گیر تو آہو یہ تھی خال ہندو مشک چیں پر کسچہ چیں توکب تھا

اُس دست حنائی نے آنسو جو مرے پونچھے حسرت سے لہو ٹپکا دو چار کی آنکھوں سے

صدقے تیرے کہ منہ سے اُلٹ دے ذرا نقاب موسیٰ کو آج لاف بہت ہے نگاہ کا

ساقیا غافل کہاں ہے تکلیف مے نوشی ضرور خستگاں کی چشم سے کرتا ہے رفع خواب آب
آبداری و روانی مصرعۂ مجنوں کی دیکھ موج دریا ہو گئی شرمندگی سے آب آب

در میخانہ پر مجنوں ملے تھے سخت شرمائے چھپاتے تھے بغل میں ہم کو مضطر ساغر و مینا
کسی اب معرکہ میں شوق کے زہرہ ہے غوغا کا کہ پھر دنبالہ رو سُرما ہے مژگان صف آرا کا
اتنی لقا پہ پڑے ہے وہ بادِ غرور سے ۔ بیمغز کسقدر ہے غرض سر حباب کا

جرأت

کچھ ایسا کر گیا بے ہوش جانا ہمکو جاناں کا	نہ جی کو ہوش ہے دل کا نہ دلکو ہوش ہے جانکا
کلمہ پھرے تیرا جسے دیکھے تو پھر نظر -	کافر اثر ہے یہ تیری کافر نگاہ کا
سنتے ہی نام اُسکی جُدائی کا مر گئے	دن ہجر کا نہ دیکھنے پائے بھلا ہوا
دل کے لگجاتے ہی جی تن سے ہمارے نکلا	جی لگانے کا تھا ارمان سو بارے نکلا
لو خبر جلد ہی سے کوئی جرأت بیمار کی	بات کرتے کرتے یہ کیوں ہو گیا بیمار چپ
غم فراق سے کٹتی ہے یوں ہماری رات	کہ لوگ دیکھتے ہیں ست پا کو ساری رات
بلائیں ہاتھوں نے میرے جو لیں تمھاری رات	بلائیں ہاتھوں کی لیتا رہا ہوں ساری رات
کہتے ہو وقت نزع یہ چپکا ہے آپ سے -	مرتا ہوں میں تو جان تمہارے گمان پہ
ہے خدا کا دیا سر پہ یہ مثل ہے مشہور	شمع مت رو جو لگی ہے تیرے سر کو آتش

نہ سمجھو دیدۂ نرگس پہ کوئی قطرۂ شبنم
کسی کی آنکھ دکھلانے کو یہ آنسو نکل آئے

آنکھ لگتی نہیں جرأت میری اب ساری رات
آنکھ لگتے ہی یہ کیسا مجھے آزار لگا

ہے کس کا جگر جس پہ یہ بیداد کرو گے
لو ہم تمھیں دل دیتے ہیں کیا یاد کرو گے

رونا آتا ہے ہمیں رونے پہ اپنے یارو
یاں تلک روئے کہ آنکھوں کو بھی رو بیٹھے ہم

اُسے چشمِ حسرت سے دیکھا جو ہم نے
تو کیا کیا وہ آنکھیں دکھانے لگا

کہا جو میں نے کہ ہے دلجلوں کی آہ اک برق
تو بول اُٹھا وہ تجھی پر پڑیگی آہ تیری

ابھی دیکھا کہ اُٹھوائے گئے ہم
جو دیکھا ٹک ادھر کو آنکھ اُٹھا کر

جو تیغ یار نے خونریزی کا خیال کیا
تو عاشقوں نے بھی منھ اُسکا خوب لال کیا

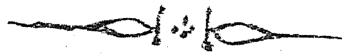
آہ مفت بھر اُسے لے آتے ہیں ۔
اتنی حامی نہیں بھرتا کوئی

دل میرا اُس سنگدل کے ساتھ ہے
کیا کروں پتھر تلے کا ہاتھ ہے

دست بردار ہوں کیونکر بت سنگیں دل سے | دب گیا ہاتھ مرا ہتو تلے پتھر کے

سر دیجے راہِ عشق میں اور منہ نہ موڑیے | پتھر کیسی لکیر ہے یہ کوہکن کی بات

میرے مرنے سے موئی تجھ پہ خلق | میں نہ مرتا تو نہ مرتا کوئی



ظفر

چشم تر سے ہوتے ہوتے اشکباری رہ گئی | آبرو بارے تیری ابر بہاری رہ گئی

جب سے اُس مہ جبیں کے عاشق ہیں | آسماں پر دماغ ہے اپنا

یہ وہ ہے ناخن پا کی ترے شباہت اوج | کہ آسماں سے کرتا ہے ماہِ نو باتیں

یہ توقع ہمکو تم سے بیوفائی کی نہ تھی | آشنائی کی تھی ہمنے کچھ بُرائی کی نہ تھی

وہ مجھپر آگ یوں ہی بن رہے ہیں | رقیبو اور اُسے بھڑکاتے کیوں ہو

یادِ دنبالہ نے دی پھونک میرے دلمیں آگ | کون کہتا ہے کہ ہے برگ قرنفل ٹھنڈا

تجھ سے آنکھیں ہے ملاتا آہو | تنکے چُنتا پھرے آئیں اللہ

ظفر دیکھا ہے کس وحشی نگہ نے آنکھ اُٹھا تجھکو | کہ اِن ذروں پہ تیری صورت وحشت بنی اُچھلی جاتی ہے

سکھائی کس نے چوری چشم تر اشکوں کے لڑکوں کو
ہوئے یہ چور ایسے آنکھ کا کاجل چراتے ہیں

نہ کرو شور بلبلو! چپ چپ
ابھی صیاد کی لگی ہے آنکھ

خوش نگہ لیں ہیں دلِ دلگیر کو آنکھوں سے کھینچ
مانی ان کی آنکھوں کی تصویر کو آنکھوں سے کھینچ

تیری چشم سیہ کا ناتواں بیمار کیا اُٹھتا
اندھیرا اُسکی آتا بار بار آنکھوں کے آگے تھا

چور بن کر تیری اے غیرتِ محفل آنکھیں
لیگئیں آنکھوں ہی آنکھوں میں میرا دل آنکھیں

یوں تو جانا تمھیں منظور جہاں ہو جانا
پر جو آنا ہو ادھر کو تو یہاں ہو جانا

سہلائے تلوے پاؤں کے کانٹوں نے اس طرح
مجنوں کے پاؤں وادیِ وحشت میں سو گئے

تری زلف کے سامنے تاب کیا
کہ بل باغ میں شاخ سنبل کرے

عرق آلودہ ترے دیکھ دہن کو گلرو
پڑ گئے لاکھوں ہی غنچہ پہ گھڑے پانی کے

سینے پہ دھر کے دیکھ ذرا ایکبار ہاتھ
یہ حال ہو کہ اُچھلے ہے دل چار چار ہاتھ

ہاتھوں سے غم کے اب ہے یہ ہیہات میرا حال
ملتے ہیں مجھکو دیکھ کے سب غمگسار ہاتھ

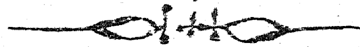
نہ دکھلا کھینچکر مانی مجھے اوراق میں غنچہ
نہیں خوب اُس دہن سے دیدۂ عشاق میں غنچہ

چشم میں دنبالہ دیکھو اُس بُتِ گمراہ کا
مست آہو مُنہ میں کیا تپا لیئے ہے کاہ کا

ایک دم پہ ہوا نہ باندھ حباب
دم کو دم بھر میں یاں ہوا دیکھا

مریضِ غم وہ عرصہ خاک پکڑے
نکلتا جس کا دم ہو ناک پکڑے

تیرے جھوکے لیگئے آخر زرِ گل سب اُڑا
یہ نہ بادی چور لے بادِ صبا پکڑے گئے



نسیم

گل کا جو الم چمن چمن ہے — یوں بلبلِ خامہ نعرہ زن ہے
گلچیں نے وہ پھول جب اڑایا — اور غنچۂ صبح کھلکھلایا
وہ سبزۂ باغِ خوابِ آرام — یعنی وہ بکاولی گل اندام
جاگی مرغِ سحر کے غل سے — اٹھی نگہت سی فرشِ گل سے
منھ دھونے جو آنکھ ملتی آئی — پرآب وہ چشمِ حوض پائی
دیکھا تو وہ گل ہوا ہوا ہے — کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے
گھبرائی کہ ہیں کدھر گیا گل — جھنجلائی کہ کون دے گیا جل
ہے ہے مرا پھول لیگیا کون — ہے ہے مجھے خار دیگیا کون
ہاتھ اسپہ اگر پڑا نہیں ہے — بو ہو کے تو پھول اڑا نہیں ہے
نرگس تو دکھا کدھر گیا گل — سوسن تو بتا کدھر گیا گل
سنبل میرا تازیانہ لانا — شمشاد انہیں سولی پر چڑھانا
گھبرائیں خواصیں صورتِ بید — ایک ایک سے پوچھنے لگی بھید
نرگس نے نگاہبازیاں کیں — سوسن نے زباں درازیاں کیں
پتا بھی پتہ کو جب نہ پایا — کہنے لگی کیا ہوا خدایا
اپنوں ہیں سے پھول لیگیا کون — بیگانہ تھا سبزہ کے سوا کون
شبنم کے سوا چرانے والا — اوپر کا تھا کون آنے والا

جس کف میں وہ گل ہو داغ ہو جائے — جس گھر میں ہو گل چراغ ہو جائے
بولی یہ بکاولی کہ افسوس — غفلت سے یہ پھول پر پڑی اوس
آنکھوں سے عزیز گل میرا تھا — پتلی وُہی چشم حوض کا تھا
نام اس کا صبا نہ لیتی تھی میں — اُس گل کو ہوا نہ دیتی تھی میں
گلچیں کا جو ہائے ہاتھ ٹوٹا۔ — غنچہ کے بھی منہ سے کچھ نہ پھوٹا
او خار پڑا نہ تیرا چنگل — مشکیں کس لیں نہ تو نے سنبل
او بادِ صبا ہوا نہ بتلا — خوشبو ہی سونگھا پتا نہ بتلا
بلبل تو چہک اگر خبر ہے — گل تو ہی مہک بتا کدھر ہے
لرزاں تھی زمیں یہ دیکھ کہرام — تھے سبزہ سے راست مو براندام
اُنگلی لب جو پہ رکھ کے شمشاد — تھا دم بخود اُس کی سُن کے فریاد
جو نخل تھا سوچ میں کھڑا تھا — جو برگ تھا ہاتھ مل رہا تھا
رنگ اُس کا غرض لگا بدلنے — گلبرگ سے کف لگی وہ ملنے
بدلے کی انگوٹھی ڈھیلی پائی — دستاویز اُس کے ہاتھ آئی
خاتم تھی نام کی نشانی۔ — نسیان کی دستبرد جانی
ہاتھوں کو ملا کہا کہ ہیہات — خاتم بھی بدل گیا ہے بدذات
جس نے مجھے ہاتھ ہے لگایا — وہ ہاتھ لگے کہیں خدایا
عریاں مجھے دیکھکر گیا ہے — کھال اُس کی جو کھینچیے سزا ہے
یہ کہہ کے جنوں میں ہو غضبناک — خوں روئی لباس کو کیا چاک
گل کا سا لہو بھرا گریباں — سبزہ کا سا تار تار داماں

دکھلا کے کہا سمن پری کو — اب چین کہاں بکاولی کو
تھی بسکہ غبار سے بھری وہ — آندھی سی اُٹھی ہوا ہوئی وہ
کہتی تھی پری کہ اڑ کے جاتی — گلچیں کا کہاں پتا لگا لی
ہر باغ میں پھولتی پھری وہ — ہر شاخ پہ جھولتی پھری وہ
جس تختہ میں مثل باد جاتی — اُس رنگ کے گل کی بو نہ پاتی
بے وقت کسی کو کچھ ملا ہے — پتا کہیں حکم بن ہلا ہے

سراپا جو اُس بت کو دیکھا تو سمجھے — دہن کہنے کو ہے کمر دیکھنے کو

جس کو دیکھا وہ اس زمانہ میں — اپنے نزدیک دور ہوتا ہے

ہے تری تیغ نگہ میں کیا اثر — وار ہو ہم پر تو کٹتا غیر ہے

جب ہو چکی شراب تو میں مست مر گیا — شیشہ کے خالی ہوتے ہی پیمانہ بھر گیا

چمن میں دہر کے آکر میں کیا نہال ہوا — برنگ سبزۂ بیگانہ پائمال ہوا

مجھ سے پہلے کوئی اُس شوخ پہ کب مرتا تھا — ملک الموت ہوا میری قضا سے پیدا
دن کو تارے نہیں دکھلاتے سیہ روزوں کو — بوڑھے مُنہ پر کئے گردوں نے مہاسے پیدا

عجیب محفل رنداں میں کل تھی کیفیت
پیالہ بزم میں ناچا سبوئے مے مٹکا

پاک الفت ہو تو پھر کیا اے رقیب
آشنا ہے آشنا کا آشنا

ایک عمر سے وظیفہ ہے صاحب کے نام کا
ناخن کے خط ہیں انگلیوں کے پور پور پر

خواب گونگے کا ہوا یار کا شکوہ گویا
دل میں بھرتا ہے مگر لا نہیں سکتا منہ پر

اشارہ میں ادا ہوتا ہے حق مدعا گوئی
بیانِ بے زباں چتون بیانِ بے بیاں ابرو

قرار پر نہ ملو اضطراب ہو کہ نہ ہو
شراب غیر کو دو دل کباب ہو کہ نہ ہو

قسم ہے دیدۂ گریاں کی مجھکو
کہ دنیا عالم رویا ہے پیارے
تجھے دل دے کے میں نے آزمایا
وہ سیکھا جس نے کچھ کھویا ہے پیارے
میں جاگا شب سر گیسو میں ورنہ
جسے کالا ڈسا سویا ہے پیارے

جادو ہے آنکھ سرمہ نہ کیونکر رہے خموش
سرکش ہے زلف کاندھے نہ شانہ کیا کرے

طفلِ بدخو و مریض و عاشق و مجنوں کے ساتھ
دشمنی میں دوستی ہے دوستی میں دشمنی

سرد آہیں بھرتے ہیں جب ہم نسیم
کہتے ہیں وہ ٹھنڈے جائیے

کسکا دل پھانسو گے کیوں بال سنبھالے تمنے
مَن کے لالچ سے تو پالے نہیں کالے تمنے

زلفِ پر پیچ سے بندہ پہ کھلا یہ عقدہ
حلقہ در گوشوں کو بتلائے ہیں بالے تمنے

اُف کروں دل کی جا ہے کہ کلیجہ پھٹ جائے
بلبلو! کیونکہ ہزاروں کئے نالے تمنے

سبز رنگوں کیلئے گل تو نہیں کھائے نسیم
ہاتھ پر داغ ہیں کیا طوطے ہیں پالے تمنے

گل ہوا کوئی چراغ سحری او بلبل
ہاتھ ملتی ہوئی پتوں سے صبا آتی ہے

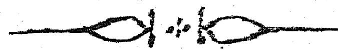
لبِ نازک کے پاس رہنے دو
تل برابر ہیں دل مسا کر کے

حق ترے دانے پانی کا صیاد
جاؤں گا دام دام ادا کر کے

سیر بیاباں چاک گریباں
وہ پائے مردی یہ دسترس ہے

ناحق بتوں نے بیداد کی ہے
اللہ مدد کر تو دادرس ہے

تیغ و سپر بندھی ہے غضب چال ڈھال ہے
قاتل سے آج جان کا بچنا محال ہے



صبا

صفائی سے اُن کی یہ صورت ہوئی | کہ آئینہ دیکھا تو حیرت ہوئی
وہ بت آگیا راہ پر زات کو | میری آہ شمع ہدایت ہوئی
نہ سمجھا وہ بت خاکِ حقِ وفا | صبا مفت برباد محنت ہوئی

میری طرح اسے بھی ملا دو نہ خاک میں | آئینہ اُس صنم کے بہت مُنہ چڑھی نہیں

خط اُنکا لیکے پڑھا پیچھے سر نامہ | بڑھا کے ہاتھ قدم پہلے نامہ بر کے لئے

تپِ الفت میں صبا ہے یہ تمہارا درجہ | دِق کے آثار ہیں بیمار نظر آتے ہو

مہندی ملکر ہے چوٹ مگر جاں پر | ہاتھ لانا نگار کیا کہنا

آبروحسن کی دولت سے ملی ہے تمکو | رنگ کُندن سا ہے زر دار نظر آتے ہو

آبرو کی جو صفاتِ فقر اسے پیدا | صورتِ وصل ہوئی ذات خدا سے پیدا

روغنِ قاز ملتے ہیں چرب زباں سبزہ رنگ
دھوکے کی ٹٹی رکھتے ہیں دام کشانِ سبزہ رنگ

سبزۂ بہار باغ حسن قدِ جوان سبزہ رنگ
رشتۂ جانِ فاختہ ہوئے میان سبزہ رنگ

کھڑے پہ زلفیں چھوڑ کے اُڑ چلے ایسے حسن میں
پریوں کے پر کترتے ہیں حور وشان سبزہ رنگ

محتسب سیاہ دل زرد رہے بہار میں
رندوں سے سرخرو رہیں مغبچگانِ سبزہ رنگ

قمری کے [illegible] صبا نعرہ یہی ہیں ہجر میں
ہے نگارِ سرو قدہائے جوانِ سبزہ رنگ

تیرِ نگاہ یار نے دم کر دیا فناہ
آنکھیں پھرا کے آہوئے تاتار ہو گیا

باغِ جہاں میں ہمکو یہ دو رنگ ہیں پسند
معشوقِ سبزہ فام مئے خوشگوار سرخ

زلف سیاہ یار سے پتلا ہوا یہ رنگ
پھر خون ہو کے ہو گیا مشکِ تتار سرخ

اے صبا کس شوخ کو دیتا ہے دل
ہوش میں آ دیکھ کر پہچان کر

جنت کو جاؤں آپکے کوچہ کو چھوڑ کر
توبہ کرو نہیں یہ گنہگار کا مزاج

بیٹھا ہوا ہے وعدۂ فردائے حشر پر
اللہ رے تیرے طالبِ دیدار کا مزاج

تیرے شب چہار دہم کے بناؤ سے
دو دن میں ماہتاب کا کچھ منہ اتر گیا



امانت

رواں وواں نہیں یاں اشک چشم ترکی طرح — گرہ میں رکھتے ہیں ہم آبرو گہر کی طرح

پانی مانگا اگر نہ کشتہ نے — دستِ قاتل کی آبرو ہوگی

پانی نہ آبرو پہ پھرے بہر حرصِ مال — موتی ملیں تو دانت نہ اپنے نکالیے

شرمِ اشکِ دیدۂ تر سے دھو ڈالوں گا عصیاں کو — انہیں چشموں سے ایدل آبرو محشر میں پانی ہے

اُلجھا دلِ ستم زدہ زلفِ بتاں سے آج — نازل ہوئی بلا مرے سر پر کہاں سے آج

کنارہ اب تو بہتر ہے دلا دریائے الفت سے — ڈبویا اُس نے جس بحرِ کرم سے آشنائی کی

اے بادِ صبا آتشِ گل کی نہ خبر دے — کیوں آئی ہے زنداں میں مجھے آگ لگانے

غمزے نے تمہارے دیکھنے پایا نہ دو گھڑی — عاشق کے جی پہ آن بنی ایک آن میں
تلوار کی سب آنچ سے سیماب ہو گئے — ٹھہرا نہ کوئی غیر ترے امتحان میں

مجھپہ آنچ آئے گی نہ دوزخ میں | ساتھ اپنے چشم تر جو تو ہوگی

صدف چشم میں دیکھی جو مرے اشک کی آب | پانی پانی گھر ایسا ہو کہ آنسو ہو جائے

پھیری آنکھ اُسنے تو دم بھر مجھے آرام نہیں | گردش چشم کم از گردشِ ایام نہیں

اُس مہر کا نظارہ تو مشکل ہے امانت | خورشید سے سینکا کرو دو چار گھڑی آنکھ

شبنم کو نگاہوں میں جگہ دیتی ہے نرگس | کیا آنکھ کا پانی چمنستاں میں ڈھلا ہے

نقشِ قدمِ یار جو دیکھا دم گلگشت | نرگس کی روش صحن گلستاں میں گڑی آنکھ

تصور میں کسی مہوش کی افشاں کا نظارہ ہے | ستارہ ہے جو گردوں پر مری آنکھوں کا تارہ ہے

شب تاریک فرقت میں کرے کون اپنا دل روشن | چراغ اندھا ہے چربی شمع کی آنکھوں میں چھائی ہے

دیدہ بازی ہے جوانانِ چمن سے کرنی | بلبلیں رکھتی ہیں نرگس کو ہزار آنکھوں میں

تا کجے سنگدلی شکل دکھا بہر خدا | ابتو پتھرا گئیں اے یار ہماری آنکھیں

نرگس ہے چشمِ بد سے میرے گل کو دیکھتی
رکھ دوں نہ عین باغ میں آنکھیں نکال کے

اندھیر ہے لگاؤں جو اُس شمع رو سے لو
پروانہ غیر پر وہ رہے میں جلا کروں

لبِ جاں بخش کی الفت میں لب پر جان آئی ہے
مریضِ عشق مرتا ہے مسیحا کی دہائی ہے
ہلاتا ہوں فلک کو بعد مردن دل کے نالوں سے
لحد میں پاؤں پھیلا کر زمیں سر پر اُٹھائی ہے



وزیر

یادِ عارض میں ہوا ہے جان کا دشمن چراغ
آنکھ دکھلاتا ہے شب بھر صورتِ رہزن چراغ

میں آنکھیں بچھاؤں وہ شہِ حسن گر آوے
درویش ہوں آزاد ہوں بستر تو نہیں ہے

جا کر چمن میں سرو کو آزاد کر دیا
کیونکر نہ کہیے یار کو بندہ نواز ہے

ہم بغل ہونے کی ہے اب تو سراپا آرزو
ضعف سے قد جھک کے آغوشِ تمنا ہو گیا

ہوں وہ غمدیدہ ہنسے کوئی تو میں رو دوں لوگو
کچھ بہانا چاہیے آنسو بہانے کے لیے
تو نے ڈھکا کے ہمیں غیر کو ساغر کو جو دیا
ساقیا پی گئے ہم آنکھ میں آنسو بھر کر

مانند شمع بس مرے آنسو نکل پڑے
دیکھا جو بے چراغ کسی کے مزار کو
میری تربت پہ اگر دو پھول لانا قہر تھا
آ نکلے تم کبھی تیوری چڑھانے کے لیے

پڑتی ہے تیرے مکان پر جو ہر ایک کی آنکھ
گرد دامانِ نگہ منگوائے تھی تعمیر کو

انکھ ہر اک طفل کی اب اے جنوں پڑنے لگی
ڈھیلے آنکھوں کے چلے مجکو جو سودا ہو گیا

کیا غلط سمجھے وہ آئیگا پھڑکتی ہے جو آنکھ
آنکھ میں خوف سب فرقت سے تھراتی ہے نیند

پانو کے چھالے انھیں دیتے ہیں آنکھوں پر جگہ
دیدۂ ہر آبلہ سمجھا ہے مژگان خار کو

میری آنکھوں میں شب روز پھرا کرتے ہو
چشم بد دور زمانہ سے ہے رفتار جدا

دوں جو تشبیہ نہیں آنکھوں میں چربی چھائی
ساق گلرنگ تیری شمع کا اندام سفید

دیکھنے پاتے نہ تھے جن کو وزیر
اب وہ آنکھوں میں رہا کرتے ہیں

کس کو اب بھیئے گا نظروں میں
سرمہ آنکھوں میں دیا کیا باعث

ان آنکھوں میں صانع نے بھرے کوٹ کے موتی
قسمت یہ ہماری ہے کہ انکو نظر آئی آنکھ

کون جیتا ہے اے صنم مر کے
آؤ تو دیکھ لیں نظر بھر کے

بچھائیں بلبلوں نے آنکھیں آیا تو جو گلشن میں
تہ زمین باغ بلبل چشم کی گویا نہالی ہے

وائے محرومی گلے پر رہگیا چلکر مرے — منہہ ہوا خنجر کا میٹھا جب وہ کڑوا ہو گیا

دنیا کو کچھ ثبات نہیں مثل نقش آب — چشم فنا سے دیکھ کہ دریا حباب ہے

سبکی نظروں سے گراتا ہے لا دست سوال — ہاتھ میں یاں اثر لغزش پا ہوتا ہے



ہیں نام بھول کا لیکر گنہگار ہوا
شراب جان کے قاضی گلے کا ہار ہوا

عشق زنداں میں دل زار توانا نہ ہوا
موتیوں کا بھی نوالہ نہ مرے انگ لگا

تلخیٔ مرگ سے ہرگز مجھے اندیشہ نہیں
میٹھے منہہ پر ہے مرے یار کی حلاوت

بحر غم نے کھائی ٹکر ایسے موج اشک کی
ہر بھنور چکرا گیا مینڈھا اچھل کر رہ گیا

پنجہ کی جھوک سے بیکل کلائی ہو گئی
جیسے کھایا زخم اسکا ہاتھ جھوٹا ہو گیا

پھولوں کے دیسے پوچھے بلبل کے زمزمہ
غنچوں نے چٹکیوں میں اڑایا تو کیا ہوا

یہ کیا باعث جو تم نے ترک کی اے بحر میخواری
کسی واعظ نے کیا چھینٹا دیا کوثر کے پانی کا

یار نے تجھکو کھلایا اپنے ساتھ
بحر اب گھر چل کے دسترخوان کر

یہ چاہنے والے چاہتے تھے گلے کا ہار بنے رکھے
دیا نہ کس کس نے اسکو دھکا نہ دم میں وہ گلعذار آیا

کھلا یہ راز بھی ہم پر لگاوٹ نگاہوں سے	کہ آنکھوں نے بھی ڈورے ڈالنا سیکھا ہے کاجل سے
وہ ماہ آج جو آیا تو کل کیا غرّہ	نشاط و عیش میں گذرا کبھی نسارا چاند
ساقی آ رہی بہار نہ گلزار رہ گیا	کانٹا لگا نہ پھول کا یہ خار رہ گیا
بھجواؤ گھر میں آج کے اے جان جاغری	بھوکا تمہارے دید کا کچھ کھا کے مر گیا
درد فرقت کو پہنچی نہیں ایذا کوئی	دل میں بیٹھا ہوا ملتا ہے کلیجا کوئی
قنّاد اگر سنے تیرے شیریں سخن کے وصف	کھاری کنوئیں میں قند کے کوزے کو ڈال دے
در دہن کے لیے خامشی مناسب ہے	یہی ہے قفل نہیں جس میں کیل کا کھٹکا
تو وہ گرما گرم ہے بہزاد اگر کھینچے شبیہ	سایہ بن جائے دھواں روغن جلے تصویر کا
کچھ ایسے گلے پڑ گئی ابرو کی محبت	تلوار کا ڈورا رگ گردن نظر آیا
تیرے مریض لب کی جو احباب تلاش کی	گلزار کا پھول باغ میں غائب ہو گیا

بھویں بالوں سے ہیں شمشیر ابری
نہیں عشاق میں لوہا نہ برے

ہے سینہ سپر ہر دم یہ جوہر ہے محبت کا
کبھی لوہا نہ مانا یار کی تیغ عداوت کا

قدم وہ تو رکھتی نہیں ہے زمیں پر
مجھے اپنی آنکھیں بچھانے سے حاصل

اسیر

ایسی برگشتہ ہیں کیوں شل مقدر پلکیں
دل میں آئیں مری آنکھوں میں کریں گھر پلکیں

دل ہوا آہن کا میری بیکسی پر آب آب
تیغ جب آئی گلے تک موج دریا ہو گئی

ہے حباب لب جو شرم سے پانی پانی
جب سے دیکھا ہے ترے پیراہن آبی کو

بجز ذلت نہیں کچھ خاک اظہار محبت میں
بہاتے ہیں جو آنسو آبرو برباد کرتے ہیں

ہو رہا ہے مدتوں سے ان لکیروں پر فقیر
ہاتھ دکھلاؤ تو نکلے برہمن کی آرزو

کبھی تو خاطر عشاق و گورکن اے رگ
غریب در سے ہیں آسرا لگائے ہیں

دل جلا کر مکر سے آنسو بہانا کیا ضرور
ڈھونڈتے ہیں کیوں لگا کر آگ پانی کیلئے

خط عنبر کا اس شوخ کو آیا مرے آگے
آیا مری تقدیر کا لکھا مرے آگے

جب سے میخانہ میں تو آتا نہیں اے بحرِ حسن
ہر بطِ مے میں ہے عالمِ ماہئی بے آب کا

محفلِ محبوب میں ہیں یار بھی اغیار بھی
اِک ذرا آنسو بہا اے دیدۂ تر دیکھکر

گردوں کو آنکھ اُٹھا کے نہیں دیکھتے ہیں ہم
اس جامِ بے شراب کی مٹی خراب ہے

خط جو دیتا ہوں کبوتر کو بدلتا ہے وہ آنکھ
کیا مروّت گلشنِ عالم سے عنقا ہو گئی

یہ کس نے آنکھ پھیری ہے کہ ایسی تیرگی چھائی
زبانِ آہوئے صحرا بنی ہر شمع محفل میں

اب تو اُس شوخ چشم قاتل پر
آنکھ ڈالی ہے دیکھئے کیا ہو

کم شرر سے نہ تھی میری ہستی
آنکھ کھلتے ہی میں تمام ہوا

پانو میں سر آ رہا ہے ناتوانی سے جنوں
پڑ گئے حلقے میری آنکھوں میں اب زنجیر کے

تیری آنکھوں کے رو برو بادام
آنکھیں پھوٹیں جو ہم نے دیکھا ہو

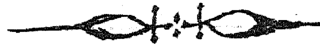
کھل گئیں نوح کی آنکھیں وہ اُٹھا یا طوفاں
تارِ رونے کا جو ہم نے لبِ جیحوں باندھا

غنچہ کا رو بروے دہن منہ بگڑ گیا ۔۔۔ دیکھا وہ قد تو خاک میں شمشاد گڑ گیا

سارے عالم میں کھلا گل اتنے لے بادِ بہار ۔۔۔ خانۂ صیاد بھی ہو جائے باغِ عندلیب

ثبات بحرِ جہاں میں کہاں ہے سرکش کو ۔۔۔ کہ سر اٹھا کے کوئی دم حباب رہتا ہے

آئی خزاں فسردہ ہوئے گل گئی بہار ۔۔۔ طوطی چمن میں بول چکا عندلیب کا



شیفتہ

پھر اب کے دھوم دھام ہے ابرِ بہار کی
رہ جائے آبرو مژہ اشکبار کی

اے مرگ آ کہ میری بھی رہ جائے آبرو
رکھا ہے سوگ اُس نے عدو کی وفات کا

دی کس نے اشکِ سرمہ کو تیغ نگہ سے آب
شورِ فغاں کو فکرِ خراشِ گلو نہ تھی

ذکرِ عشاق سے آتی ہے جو غیرت اُسکو
آپ عاشق ہے مگر وہ بُتِ خودکام اپنا

مت چھیڑ کم یار سے جدا ہوں
اے مرگ میں آپ مر رہا ہوں

ضعف سے ہے آپ میں آنا محال
اُس کے کوچہ تک رسائی ہو چکی

گل سینہ چاک اور صبا اضطراب میں
آرام سے ہے کون جہاں خراب میں

بدخو بتوں سے یار کی کیا خوش ہوں شیفتہ
ہر ایک کو جو حوصلۂ آرزو نہیں
ہم بھی دکھاتے غیر سے اخلاص کا مزا
آفت تو یہ پڑی ہے کہ تم بدگماں نہیں

کرے گا قتل تیغہ کو چٹا کر سنگ لائیگا
بتوں کا دستِ رنگیں آگے آگے رنگ لائیگا

میرے آنے سے تم اُٹھ جاتے ہو
بزمِ دشمن ہیں نہ آوں کیونکر

بے قدر ہے مفلس شجرِ خشک کی مانند
یہاں درہم و دینار ہیں برگ و ثمر آیا

خوبئے بخت کہ پیمانِ عدو۔
اُس کو ہنگام قسم یاد آیا

نامہ کو مرے یار نے آنکھوں سے لگایا
ملجائے تو لوں نامۂ تقدیر کے بوسے

آپ سے لحظہ لحظہ جاتے ہو
شیفتہ ہے خیال کس گھر کا

گھبرا کے اور غیر کے پہلو سے لگ گئے
دیکھا اثر یہ نالۂ بے اختیار کا

اُس شوخِ کج ادا سے نہ آئی موافقت
کیونکر گلہ نہ ہو مجھے طبعِ سلیم کا

غیر ہی کو چاہینگے اب شیفتہ
کچھ تو ہے جو یار نے ایسا کیا

بدمست جہان ہو رہا ہے
ہے یار کی بو ہر ایک شے میں

دشمن کہیں گیا نہ ہو آنکھوں سے شیفتہ
اس کی گلی میں آج نشانِ قدم نہیں

پانی وضو کو لاؤ رخِ شمع زرد ہے
مینا اُٹھاؤ وقت اب آیا نماز کا

روزِ شبِ وصال مبارک ہو شیفتہ
جورِ فلک کو ہے ستمِ یار سے حجاب

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
ہے آگ سی جو سینہ کے اندر لگی ہوئی



نگہت

وہی آئینہ میں وہی سنگ میں ہے
غرض آپ ہی آپ ہر رنگ میں ہے

کیا عالم کو کُشتہ چشم کے عالم کو دیکھو تو
صفِ مژگاں نے آگے رکھ لیا رستم کو دیکھو تو

لب پر پہنچانے تپِ غم کے پا ہیں جنوں سے چھالے
نازسے ہیں گلِ داغِ محبت زخمِ جگر آبلے ہیں

حیرت افزا شکل دیکھی جب سے اُس گلچہر کی
آنکھ اُٹھا سکتی نہیں ہے، زخمِ پا سے مہر کی

کہاں تک کروں دل کو رورو کے خالی
کرے دیدنے آنکھ بھر کر نہ دیکھا

کوئی اب بجز خوبی آسے ہے شاید نہانیکو
پھڑکتی آنکھ ہے چولے حباب آب جو تیری

اپنی آنکھوں سے چھوا کر میری آنکھیں سات بار
پھول نرگس کے ہیں یہ انکو اُتارا چاہیے

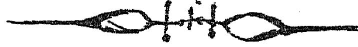
قدم رکھ بے تکلف نازنیں آنکھوں پہ نگہت کے
سرِ مو چشم پر ہوتا نہیں ہے، بار مژگاں کا

بیمارِ چشم تھا جو محوِ خیالِ نرگس	آنکھوں سے جان نکلی اُس کی مثالِ نرگس
گر اشارے ہوں طلب ہیں ہم آنکھوں سے	پانوں سے جائے بشر واں کوئی ہم آنکھوں سے
یار کی یار و بیاں تم بے وفائی مت کرو	روبرو آنکھوں کے پلکوں کی بُرائی مت کرو
ہوئے وہ اخترِ بختِ مرادِ غیر یا قسمت	جو ہم سے تیرہ بختوں کے کبھی آنکھوں کے تارے تھے
جب خیالِ رخِ پُر نور کسی کا آیا ۔	دیکھو اندھیر کہ آنکھوں میں اندھیرا آیا
اِک شعلہ سوز و ساز سے آنکھوں میں پھر گیا	پھرنا کسی کا ناز سے آنکھوں میں پھر گیا
سوزِ پروانہ پہ اصلا نظرِ مہر نہیں	چربی آنکھوں پہ تری شمع لگن چھائی ہے
تمھاری زلف میں حلقے ہیں پیچ و تاب کے باعث	میری بھی آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں ناتوانی سے
وہ مہروش نہ آیا باتوں میں رات کاٹی	مانندِ چشمِ انجم آنکھوں میں رات کاٹی
واں رکھتے ہیں اسکو سرمۂ اغیار آنکھوں میں	یہاں کھٹکے ہے ہر تارِ نظر جوں خار آنکھوں میں

دل کو عینِ لطف سے مدِّ نظر کرتی ہے چشم
سرمہ ساں وقتِ طلب آنکھوں میں گھر کرتی ہے چشم

دیکھکر صورت سحر اُس مہرِ پُرتنویر کی
رہگئیں آنکھیں کھُلی آئینۂ تصویر کی

لڑائیں کس نے وقتِ غسل تجھسے جنگجو آنکھیں
نکالے ہے عبث مجھپر حبابِ آبجو آنکھیں



آزردہ

نالوں سے میرے کب تہ و بالا جہاں نہیں — کب آسماں زمین و زمیں آسماں نہیں
اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں — اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

ہو نہ دامنگیر کوئی جانکر قاتل تجھے — تو بھی روتا چل جنازے کو ہمارے دیکھکر

ناصح یہاں یہ فکر ہے سینہ بھی چاک ہو — ہے فکرِ بخیہ تجھکو گریباں کے چاک میں

گو اسیری میں ہوں پر مثلِ اسیرِ تصویر — نہ غمِ قید نہ پروائے رہائی مجھکو

یا تنگ نکر ناصحِ ناداں مجھے اتنا — یا لا کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

اس درد جدائی سے کہیں جان نکل جائے — آزردہ میرے حق میں ذرا تو بھی دعا کر

صفتِ جاں کی ہے اسمیں اور جاں نہیں یا — کہ یہاں بھی ہے اور یہاں نہیں
میرا نامۂ شوق تلوؤں تلے — نہ ملیے یہ خونِ شہیداں نہیں

جو ہوتی ہمیشہ سے تمہاری اگر ایسی ۔ تو کاہے کو بنتی میری لے فتنہ گر ایسی
مکھڑا وہ غضب زلف سیہ فام وہ کافر ۔ کیا خاک جیے کوئی شب ایسی سحر ایسی

وہ آیا ہے بالیں پہ ہاں چشم شوق ۔ ملے آج مژگاں سے مژگاں نہیں
مری اور گردوں کی کیونکر بنے ۔ میں جانباز وہ مردِ میداں نہیں
یہ ہاتھ اِسکے دامن تلک پہنچے کیا ۔ رسائی جسے تا گریباں نہیں

بیوقت آئے دہر میں کیا شورشیں کریں ۔ ہم پیر و پیر میکدہ بھی نوجواں نہیں

آزردہ یہ تو عمر ہے چاروں طرف نظر ۔ حضرت یہ باتیں پھبتی تھیں عہدِ شباب میں

یہ طالع خوابیدہ جاگیں ہے نہ جاگیں گے ۔ لگ جائیگی آنکھ اپنی جب وقت دعا ہوگا

سمجھئے آنکھوں ہی آنکھوں میں گر سمجھنا ہے ۔ ہمارے منھ سے نہ کہواؤ آرزو کیا ہے

اپنا تو کلیجہ ہی بیٹھا جائے ہے سُنکر ۔ دِل تھام کے آزردہ نہ تو آہ بھر ایسی



محسن

ظلمت کا چراغ بے ضیا ہے
انجم کا ستارہ ڈوبتا ہے

مہتاب کی چاندنی ڈھلی ہے
مریخ کی سست مشتری ہے

روپوش دبیرِ چرخِ اخضر
ظلمت کا سیاہہ کرکے ابتر

اہلِ مدِ کہکشاں ہے مغرور
پروانہ نویسِ شمع کافور

زہرہ کا سفید ہو گیا رنگ
نظمِ پرویں کا قافیہ تنگ

ہے فکر سپہر رات بھر کی
کیا بات ہے مطلعِ سحر کی

کیفیتِ وحی میں ہے بلبل
ہے وقتِ نزولِ مصحفِ گل

سبزہ ہے کنارِ آبِ جو پر
یا خضر ہے مستعد وضو پر

تسبیح شگوفہ یا مصور
تحریمہ تاک ربِّ اغفر

پابند زکوٰۃ نامیہ ہے
کانٹا زرِ گل کو تولتا ہے

لایا یہ مجاہدِ صبا رنگ
نافرماں ہو رہا ہے چورنگ

سالک ہے چمن میں نہر موزوں
مجذوب ہے شاخِ بیدِ مجنوں

خدمت میں بہار کی صبا ہے
سبزۂ سنبل کا بالکا ہے

ہے استغراق نیلوفر کو
پاسِ انفاس ہے سحر کو

سیفی جو زبانِ خار پر ہے
نرگس کی نگاہ میں اثر ہے

خرقہ ہے نصیب یاسمن کو
عمامہ ملا ہے نارون کو

عطار شمیم گلستاں کی
ہم مرتبۂ فرید بوٹی

پھولوں میں ہے یوں گلاب خوش آب
جیسے قطبوں میں قطبِ اقطاب

پیرانہ نور ہیں سمن ہے
سلطانِ مشائخ چمن ہے

کیوڑا گلزارِ پُرفضا میں
غوث الثقلین اولیا میں

شورش میں قلندرانہ قمری
اور چشتئ سبزپوش طوطی

ہے خواجۂ نقشبند ذی جاہ
طاؤس علیہ رحمۃ اللہ۔

ہر کبک دری خلیلِ آذر
ہُدہُد نامِ خدا پیمبر

اعجازِ نسیم صبحدم ہے۔
انفاس مسیح کی قسم ہے

سامانِ ظہور کی ہے تمہید
قدرت پہ یہ ہو رہی ہے تاکید

ہر قطرہ ہو جوشِ بحر دربر
ہر ذرہ ہو آفتاب پیکر

اللہ اللہ کیا سماں ہے
ہر شے کو حیاتِ جاوداں ہے

ہستی و عدم میں ایک لَے ہے
لاشے کے بھی لب پہ آج نے ہے

حاضر ہوئی روحِ پاک آدم
دوراں نے کہا کہ خیر مقدم

یوسف مع عزت و مناصب
یونس مع ماہی و مراتب

داؤد لیئے زبور پہنچے۔
موسیٰ مع شمع طور پہنچے۔

ہر گوہر قلزمِ ولایت
ہر نیّر مطلعِ ہدایت

رنگینئ لالہ زار ایماں
جانبازئ سیّد شہیداں

مقبولئ بایزید و ادھم
محبوبئ خاص غوث اعظم

القصہ یہ دیکھکر تماشا
حیرت ہوئی آکے جلوہ فرما

کہتی ہوئی کیا ہے آج ساماں - کھلتا نہیں کچھ یہ سرِ پنہاں -

خورشید فلک کے سایباں میں یوسف ہے غبار کارواں میں

مظہر کا خطاب میرزا ہے منتظر کا لقب ابوالعلا ہے -

شبنم کو دم فلک مآبی - مٹی میں کمال بوترابی

کیا رنگ قبول جلوہ گر ہے ہر گل پہ ہزار کی نظر ہے

ہے چاندنی ایک ماہ پیکر سورج مکھی آفتاب انور

اورنگ نشینِ باغ ہے گل اور ہفت ہزاریوں میں بلبل

ذی حکم خزانہ اشرفی ہے صدبرگ کا اسم پانصدی ہے

ہر دانہ ہے عابدِ سحر خیز ہر ذرۂ خاک شمسِ تبریز

القابِ نسیم دامنِ دشت - مخدوم جہانیاں جہاں گشت

روے حسنات سوے اخیار چشمِ رحمت سوئے گنہگار

ہے فکر میں عابدوں کے طاعت محسن کی تلاش میں شفاعت

قلق

رازِ دل اپنا اگر اس پر عیاں ہو جائیگا
دشمنِ جاں وہ نصیبِ دشمناں ہو جائیگا

جبینِ پارسا کو دیکھکر ایماں لرزتا ہے
معاذ اللہ کیا انجام ہے اس پارسائی کا

کوششِ پردہ عبث حوصلۂ دید کسے
جلوہ کیا کم تھا اگر منھ ہی چھپانا ہوتا

مجھسے پیغامِ وصال اور ہی کچھ بات ہے یہ
غیر سے کہتے اگر مجھکو سنانا ہوتا

رسمِ انصاف اُٹھی خوب ہوا یہ ورنہ
زخمِ دل ہر کس و ناکس کو دکھانا ہوتا

قاصد کی جلدیوں نے یہ بدگماں بنایا
خط دیتے دیتے ہمنے پھر حرزِ جاں بنایا

نقشِ قدم نہیں ہے جبیں پر جبیں میں ہے
کوچہ کا تیرے رستہ نازک مقام نکلا

دیدۂ دل سے ہوا دیدۂ دل کا نقصاں
سر و سامان وبالِ سر و ساماں نکلا

شوخی نے رکھا اسکے تصور سے ہمیں دور
نظروں میں ہمارے جو وہ تھا بھی نہیں تھا

ہر سنگ میں کعبہ کے نہاں عشوۂ بت ہے
کیا بانیٔ اسلام بھی غارتگرِ دیں تھا

قطعِ تقریبِ عیادت کی بھی امید ہوئی
ہوگیا اور بھی بیمار میں اچھا ہو کر

وہاں وہ خیالِ غیرتِ مضطر کہ ہائے ہائے
یہاں یہ غرورِ ضبط کہ وہ بیقرار ہیں

اقربا دیتے ہیں طعنے گالیاں دیتا ہے وہ
یہ نہ کہ ناصح کہ دل دینے میں کچھ حاصل نہیں

کیا مٹائے آپکو کوئی کہ راہِ عشق میں
وہ رواجِ نقص ہے نقصان بھی کامل نہیں

واں خلد کی خوبیاں مئے و معشوق کے ہمیں
بے لذتِ گناہ نشاطِ کرم نہیں

جیتے ہیں اس مزا میں کہ مرتے ہیں تسبیہ ہاے
مرتے ہیں اس عزا میں کہ مرنے کو ہم نہیں

مے سے عروج نشہ ہے اور نشہ سے عروج
تحت الثریٰ وہ خاک کہ جس سے سبو نہو

محتاج کش سپہر و جہاں بے غرض تلاش
وہ کامیاب ہے جو کبھی کامجو نہو

رحمت کا جوش العطش بادہ خوار ہے
نہر جناں ہو خشک جو داماں تر نہو

قلق خطِ غیر کا کیونکر نہ آتا کیونکر نہ تم پڑھتے ہم
قضا لکھی ہوئی حضرت سلامت آ ہی جاتی ہے

کہتے ہیں اُس قلق کو ہی اب شریف کہ
میخانہ کے جو در پہ مدت پڑا رہا ہے

عداوت کا گماں کب تک نہو گا
ہوئی ہے غیر صورت چارہ گر کی

سخت حیراں ہو تشویش ستم میں ہے ہے
جو وفا کرتا ہے وہ ثمرہ جفا کرتا ہے

امیر

جھونکا ادھر نہ آئے نسیم بہار کا
نازک بہت ہے پھول چراغ مزار کا
اٹھتا ہے نزع میں وہ سرہانے سے اے امیر
مٹتا ہے آسرا دلِ اُمیدوار کا -

گلہ زباں پہ نہ لانا تھا بے وفائی کا
امیر ڈوب گیا نام آشنائی کا
دکھاؤ جلوہ جو دعوےٰ ہے خود نمائی کا
مجھے یقیں نہیں آتا سُنی سنائی کا

حسرت سے دیکھتا ہوں جو اُنکی طرف امیر
کہتے ہیں دیکھو دیکھو کوئی دیکھتا نہو

مرگئے ایذائے فرقت سے ہوئی حاصل نجات
رفتہ رفتہ داغ مرہم دردِ درماں ہوگیا
پڑگئی جسپر نظر اُسپر وہ دیوانہ ہؤا
حسن سے انساں بلائے جانِ انساں ہوگیا

بندہ نوازیوں پہ خدائے کریم تھا
کرتا نہ میں گنہ تو گناہ عظیم تھا

اسقدر تھک گئے ہم بادیہ پیما ہوکر
کفِ پا اُٹھ نہ سکے نقشِ کفِ پا ہوکر

بیکس وہ ہوں کہ میری لحد پر جو آئے ابر
رو رو کے چادر آبِ رواں کی چڑھا ا[illegible]

بلبل کو شوق گل تھا نہ قمری کو عشقِ سرو
سارے یہ گل کھلائے ہوئے باغباں کے ہیں

چشم پوشی کا جو کرتا ہوں میں اُنسے شکوہ
آنکھیں دکھلاتے ہیں وہ اور تماشا دیکھو

وہ تیغِ آبگوں ہے فساں پر لگی ہوئی
دل کی بجھیگی آج مقرر لگی ہوئی

گھُل گیا غم سے اگر تن تو بنا مثلِ حباب
ہم ہوئے خاک سے پانی بھی تو برباد رہے

دل کو طرزِ نگہِ یار جتاتے آئے
تیر بھی آئے تو بے پر کی اڑاتے آئے

گلشن میں کی جو آہ شرر بار امیر نے
چھوٹیں گے پھلجھڑی کی طرح پھول انار کے

پاس بٹھلا کر مجھے اُسنے اُٹھایا غیر کو
لڑ گئی تقدیر میری غیر کی تقدیر سے
کیا لبِ معشوق ہو کر جان لے خنجر سے
سیکھ لے گھر دل میں کرنا کوئی اُس کے تیر سے

نہیں امید جو اس بیوفا کے آنے کی
میں راہ دیکھ رہا ہوں قضا کے آنے کی

نہیں ملتی یہ بھی تو دو دو پہر
میری نبض تیری نظر ہو گئی

دبیر

نکلی غلافِ نور سے تفسیر جوہری
یا آ کے دست بوس سلیماں ہوئی پری

یا حجلۂ عروس سے نکلی جلوہ گستری
یا ہے یہ شاخ میوۂ طوبیٰ ہری بھری

اس ہاتھ سے مرادیں تھیں جو جو وہ مل گئیں
باچھیں خوشی سے تیغ کے قبضے کی کھل گئیں

شاخِ نیام سے ہوا اس طرح پھل جدا
پیروں کے قد سے جیسے جوانی کا بل جدا

ہستی جدا زمین پہ تڑپی اجل جدا
خنجر جدا فلک پہ گرا اور زحل جدا

غل تھا کہ اب مصالحۂ جسم و جاں نہیں
لو تیغِ برق دم کا قدم درمیاں نہیں

سیدھی ہوئی جو تیغ تو لشکر الٹ گیا
میداں سے پاؤں جینے سے دل سب کا ہٹ گیا

سب زہرے تھے زور کو وال سن بھی گھٹ گیا
مانندِ ناف خوف سے سینہ سمٹ گیا

بولی یہ تیغ دم سرِ اعدا پہ لوں گی میں
برش پکاری تو یہ ٹھہرنے نہ دوں گی میں

پھل وزن میں تھا پھول تجلی میں نخلِ طور
گرمی میں محض نار تو نرمی میں صاف نور

آسیب سایہ چال پری قبضہ چشمِ حور
خود لہر آبِ زہر تڑپ قہر شور صور

یوں دفعتاً زمیں سے گئی آسمان پر
جس طرح غصہ آئے کسی ناتوان پر

پھر تو پکارتی تھی یہ ادھر وہ ادھر گرا
وہ پنجہ وہ ہاتھ وہ خود اور وہ سر گرا

بن بن کے برق سایۂ تیغِ ظفر گرا
واں مرحبے سے باپ اٹھا یہاں پسر گرا

گر گر کے رن میں سر یہ برابر تپاں ہوئے
جو رن میں سر زمیں کے مضے عیاں ہوئے

کاٹا پلک میں آنکھ کو پتلی میں نور کو
پاؤں میں کجروی کو سروں میں غرور کو

سینہ میں بغض و کینہ کو دل میں فتور کو
نیت میں معصیت کو طبیعت میں زور کو

ذات اک طرف مٹا دیا بالکل صفات کو
کیسی زباں زباں نہیں یہ کاٹ آئی بات کو

انیس

چمکی جو تیغ آمدِ قہرِ خدا ہوئی
سر پہ جو آ گئی تو قیامت بپا ہوئی
سینے سے روح جسم سے گردن جدا ہوئی
خوں میں ڈبو چکی تو نہ پھر آشنا ہوئی۔
بارہ اِس غضب کی وار وہ اس زور شور کا
دشمن کو اسکا وا کرنا رہ تھا گور کا

بسم اللہ صحیفۂ جرأت تھی اسکی تاب
جوہر ہیں آبرو میں اصالت میں انتخاب
مانند ذوالفقار گراں قدر و لاجواب
وہ قد وہ خم وہ منھ کی صفائی وہ آب و تاب
اترے جگر سے جسکے اسی کو خبر نہو
کاٹے گلے ہزاروں کے اور خون میں تر نہو

گویاں و تیغ و خنجر و گرز و سنان و تیر
دو دو تھے پیش آئینۂ تیغ بے نظیر
دم میں یہ صف تمام اُدھر کا پرا اخیر
آفت کا معرکہ تھا قیامت کی دار و گیر
اُڑ کر بھی مرغِ روح کا بچنا محال تھا
جوہر حسام میں تھے کہ لوہے کا جال تھا

یوں مورچوں کو چاٹ گئی تیغِ شعلہ رنگ
لوہے کو خاکِ خود میں کھا جائے جیسے زنگ
کمروں سے کھینچ نہ سکتے تھے خنجر میانِ جنگ
جوشن جو کٹ گئے تھے تو چار آئینے تھے تنگ
تلواریں منھ چھپائیں تھیں ضربِ درشت سے
ڈھالیں لپٹ گئیں تھیں سواروں کی پشت سے

گرتی تھی کوند کر جو وہ برقِ شرارہ ریز۔
ہر زخم کھلا تھا بند تھی سب کو جگہ گریز
چلنے میں تیغ تیز قدم تیز ہاتھ تیز
رہ رہ کے گرم ہوتا تھا ہنگامہ ستیز
کشتہ ہیں ایک ضرب میں [illegible] کے چار پاں
ششدر تھے سب کہ ہوتے ہیں کیونکر دو چار ہوں
کاٹی سپر تو کاسہ سر تک پہنچ گئی۔
سر پہ پڑی تو سینے کے [illegible] تک پہنچ گئی۔

برے مثالِ برق جگر تک پہنچ گئی
پی کر لہو جگر کا کمر تک پہنچ گئی۔

بڑھ کر گرے زمین پہ آئی سرنگ سے
ٹکڑے گرے نہ تھے کہ یہ نیچے تھی سنگ کے

نکلا ادھر سے جو وہ اجل کا شکار تھا
پیدل ہو یا سوار ہو یہ دو وہ چار تھا

کوسوں لہو سے دشتِ ستم لالہ زار تھا
بجلی چمک رہی تھی فرس بیقرار تھا۔

کیا ہو زرہ سے ضرب جب ایسی کڑی لگے
تیروں برس رہے تھے کہ جیسے جھڑی لگے

داغ

صبر لے زاہد نا فہم نہ میخواروں کا | بخشنے والا بھی دیکھا ہے گنہگاروں کا
کیا کیا فریب دل کو دیئے اضطراب میں | اُن کی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں
اے داغ صدمۂ غمِ ہجراں بجا درست | سب کچھ سہی مگر تمھیں جینا نہ ورنہ تھا
بھلا ہو پیر مغاں کا اِدھر نگاہ ملے | فقیر ہیں کوئی چلو خدا کی راہ ملے
جلوے میری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں | چھپ کر وہ مجھسے جائیں گے؟ ایسے کہاں کے ہیں
جسکے پہلو میں ہو تم اُسکا نصیب اچھا ہے | میری دانست میں تمسے بھی رقیب اچھا ہے
اللہ کو کیا جواب دوں گا۔ | عادت ہے بتوں سے گفتگو کی۔
یار کا پاس نزاکت دل ناشاد رہے | نالہ رکتا ہوا تھمتی ہوئی فریاد رہے

جانتا ہوں کہ میری جان ہے تو — اور میں جان سے بیزار یہ کیا؟
تیری آنکھیں تو بہت اچھی ہیں — سب انہیں کہتے ہیں بیمار یہ کیا؟

داغ پھرتا نک جھانک کرتے ہیں — اب گرے اب پھنسے کہیں نہ کہیں

وہ نگہ راہ پر نہیں آتی — نظر آتی نظر نہیں آتی

اپنے رونے پہ کچھ آیا جو تبسم مجھکو — یاد نے اسکے کہا بھول گئے تم مجھکو

بنا روزِ جزا جس کی سزا کو — مری قدرِ گنہگاری تو دیکھو

وہ بت خوش ہونے لگے دوست کے مرجانے سے — غم کا یہ کال پڑا ہے میرے غم کھانے سے

دشمنِ جاں نہ سہی آپ مسیحا ہی سہی — داغِ رنجور کسی طرح سے اچھا ہو جائے

کیجے تیغ تبسم سے ہلاک — جور بھی اچھوں کا اچھا چاہیے

داغ کے دل کا تو کچھ بھید نہ پایا ہم نے — ایک حسرت سی برستی ہے مگر آنکھوں سے

اے شیخ جسکو جو نہ ملیگا بڑھیگا شوق | جنت کو تو پسند جہنم کو تو پسند

جو بڑکے شہباز قطرہ پر گرا | ٹوٹ کے ہر خستہ جگر پر گرا

کچھ تو تھی بات کہ ناصح کی نمانی کچھ بات | کچھ تو سمجھا جو نہ کچھ یہ دلِ ناداں سمجھا

کی ترکِ مے تو مایل پند ار ہو گیا | میں توبہ کرکے اور گنہگار ہو گیا

آنکھ اُس کی صبا نے دیکھتے ہی | ڈال دی خاک چشمِ نرگس میں

شراب ہے ہر رنگ کی اپنے پیالے میں | وہ طرہ کونسا ہے گُل میں کیا ہے شاخ گلاب



حالی

ہم جسکو دیکھتے ہیں وہ ہے بات اور ہی	تمسے جہاں میں لاکھ سہی تم مگر کہاں
بہت چین سے دن گذرتے ہیں حالی	کوئی فتنہ برپا ہوا چاہتا ہے - +
بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر	ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں
اسکے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت	نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ وہ در کی صورت
اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار	اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت
اسکو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہماں	دیکھنا آپ کی اور آپکے گھر کی صورت
حالی کو ہجر میں بھی جو دیکھا تو شادماں	اسکا ہی یہ جگر تھا کہ اتنا غیور تھا
کس سے پیمان وفا باندھ رہی ہے بلبل	کل نہ پہچان سکے گی گل تر کی صورت
ہے فصاحت میں شبل واعظ و حالی دونو	دیکھنا یہ ہے کہ بے لاگ سخن کسکا ہے

اسکے نالوں نے کیا بزم کو برہم آخر
ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل میں بلاؤ

اے سب سے اول و آخر
جہاں تہاں حاضر ناظر

ہولے اونچے اور پربت سے
چاند سے اور اِس نیلی چھت سے

سب سے انوکھے سب سے نرالے
آنکھ سے اوجھل دل کے اُجالے

اے اندھوں کی آنکھ کے تارے
اے لنگڑے لُولوں کے سہارے

ناؤ جہاں کی کھینے والے
دُکھ میں تسلی دینے والے

جب اَب تب تجھسا نہیں کوئی
تجھ سے ہیں سب تجھسا نہیں کوئی

جوت ہے تیری جل اور تھل میں
باس ہے تیری پھول اور پھل میں

ہر دل میں ہے تیرا بسیرا
تو پاس اور گھر دُور ہے تیرا

راہ تیری دشوار اور سکڑی
نام تیرا رہگیر کی لکڑی

تو ہے اکیلوں کا رکھوالا
تو ہے اندھیرے گھر کا اُجالا

سچ اگلے لوگوں نے کہا ہے
"بد اچھا بدنام بُرا ہے"

جینے سے گھبرا گئی ہوں میں
اِس دم سے تنگ آ گئی ہوں میں

اے بے آسروں کے رکھویّا
نَے ڈوبے بیڑوں کے کھویّا

لیجیو میری کشتی بانی
آ پہنچا ہے ڈُباؤ پانی

اب تیرے گی تِرائی تیری
ڈُوبی ناؤ دوہائی تیری

اے امبر کے چمکتے تارو
اے گھر کے در اور دیوارو

اے نیک اور بد کے دربانو
دیکھتی آنکھو! سنتے کانو

کہہ گئی سچ اِک راج کماری ٭
ہے غمخوار ہر اِک بیکس کے
جس نے لگی میں تجھے پکارا
پھیرا نہ خالی اس چوکھٹ سے
اُجڑے کھیڑے تُو نے بسائے۔
عام تیری رحمت جب ٹھہری۔
داد ہر اِک مظلوم کی دے تو

لاچاری پربت سے بھاری
حامی ہر عاجز بے بس کے
سامنے تیرے ہاتھ پسارا
گیا نہ پیاسا اس پنگھٹ سے
ڈوبے بیڑے تُو نے ترائے
دور ہے پھر رحمت سے تیری
اور رانڈوں کی خبر نہ لے تو

شوق

(فرید آبادی)

شکوہ رقیب کا ہے نہ کچھ جور یار کا — ہمکو گلہ ہے طالع ناسازگار کا

پس مرگ خاک کو بھی نہ رہا قرار یکجا — کوئی فاتحہ تو پڑھتا جو کہیں مزار ہوتا

ایسے عیار سے امیدِ وفا — شوق تم بھی کمال کرتے ہو

فرقت کی رات چشم زدن میں گذر گئی — کچھ اسکے انتظار نے ایسا مزا دیا
حکمت مآب عاقل و دانا تھے تم تو شوق — دیوانہ کس کے عشق نے تمکو بنا دیا

شب اُن سے اسقدر ہوئی حجت بگڑ گئی — میرا مزاج اُن کی طبیعت بگڑ گئی
اے شوق بار بار انھیں چھیڑتے تو ہو — کچھ بھی نہ بن پڑیگی جو حضرت بگڑ گئی

کروں عشق کیونکر نہ اُس بت کا واعظ — وہ صورت خدا کی بنائی ہوئی ہے

گر شفائے مرض ہے نقل مکاں — لے چلو مجھکو کوئے دلبر میں
دردِ سر کا علاج کیا کیجے — کوئی دیوار بھی نہیں گھر میں

بیت الصنم ہیں خاص ہی لوگوں کا ہے گذر
ہر اک کا دخل ہو وہ خدا کا تو گھر نہیں

ہے گرچہ یہ دعا کہ چھٹوں رنج ہجر سے
ڈر ہے کہیں یہ حق میں مرے بد دعا نہ ہو

انہیں کیوں فکر ہے خوں سے اگر آلودہ ہے دامن
میں کہدوں گا کہ میرے اشک کی سرخی ہے دامن پر
مروں میں کس توقع پر وہ دم دیتے ہیں اے صیاد
عیادت کو کب آئے تھے جو اب آئینگے مدفن پر

آگئے جو خواب میں بھی تو رخ تھا نقاب میں
کتنے بڑھے ہوئے ہیں وہ شرم حجاب میں
باز آ و شوق اب تو کہ ہے وقت زہد و ورع
تھوڑے مزے اڑا لیے عہد شباب میں

سیئے کیوں لب کیا دل نے جو نالہ
کرے تو کوئی ہو بدنام کوئی

گر شب فرقت میں نیند آئی نہیں ہے شوق کو
زہر کھا کر سو رہو اب اس سے کچھ بہتر نہیں

عشق میں اس سے بھی ہوتا ہے برا حال اے شوق
آپ کیا جانیں ابھی آپ نے دیکھا کیا ہے

حضرت شوق تم غنیمت ہو۔
ہیں کہاں لوگ اس طبیعت کے

تشنہ (مولف کتاب)

جگر پر داغ ہے ہجر رخ پر نور جاناں کا
فروغ روئے جاناں سے یہ عالم ہے گلستاں کا

نہ ہو کیوں مطلع خورشید مطلع تیرے دیواں کا
کہ ہوتا ہے گماں ہر سرو پر سرو چراغاں کا

اپنے وحشی کو وہ آئے دیکھنے
مانگوں رو رو کر دعائیں وصل کی

داغ سودا نقش ہے تسخیر کا
موتیوں سے منہ بھروں تاثیر کا

کھچی جاتی ہے کیوں شمشیر قاتل
بہت بھرتے ہو ٹھنڈے سانس تشنہ

دہان زخم نے کچھ کہدیا کیا؟
کسی بے مہر سے پالا پڑا کیا؟

اٹھ گیا پردہ جو روئے یار سے
اک نہ اک دن ہو ہی جائیگا وصال

دیر تک عالم کا اک عالم رہے
تیغ قاتل کہے جو دم میں دم رہے

اللہ رے تاب حسن کہ جھانکا جو ایک بار
نظارۂ سبزۂ خط رخسار یار کا
تربت پہ میری بولے الٹ کر نقاب کو
آنکھیں چراتے ہیں میرے ورنا سے جاگ کر

خورشید حشر روزن دیوار ہو گیا
زخم جگر کو مرہم زنگار ہو گیا
اٹھ با آفتاب حشر نمودار ہو گیا
یارب میں کس کی چشم کا بیمار ہو گیا؟

تشنۂ شبابِ عشقِ حسیناں؟ خدا بچائے
ناداں کس بلا میں گرفتار ہو گیا

بزمِ عدو میں دیکھ نہیں سکتا یار کو
رشکِ رقیب پردۂ رخسار ہو گیا

میں جو شہید ہوں رخِ تاباں یار کا
ہر ذرہ مہرِ حشر ہے میرے مزار کا

بجلی میں یہ تڑپ تھی کہاں اور شرار میں
کچھ ڈھنگ اڑا لیا ہے دلِ بیقرار کا

تشنۂ فراقِ یار میں کیفیتِ مزاج
کیا پوچھتے ہو؟ شکر ہے پروردگار کا

چشمِ بیمار کی الفت میں ہمیں
نظر آتا نہیں جینا اپنا۔

ہوا ہے رشکِ جانبازیٔ پروانہ فرقت میں
ترے عاشق کا خوں ہے گر دلِ شمعِ شبستاں کا

یہ کس گلرو کو دیکھا ہے جو حیرت سے ہر اک بلبل
مثالِ بلبلِ تصویر ہے دیوارِ بستاں پر

مزا یہ پڑ گیا ہے کاوشِ مژگانِ جاناں کا
کہ رکھتا ہوں قدم کو جان کر خارِ مغیلاں پر

پڑھ پڑھ کے عمر بھر جنھیں ہم نے سنگھائے گل
تربت پہ بھی کبھی وہ ہمارے نہ لائے گل

گل کھلتے کھاتے ہو گئی بلبل فدائے گل
پھولوں میں اسکے اور نہو کچھ سوائے گل

بلبل کا چاک چاک جگر ہے برائے گل
کیا گل کھلا رہی ہے چمن میں ہوائے گل

کیا فصلِ گل چمن سے الٰہی گذر گئی
کرتی ہیں بلبلانِ چمن ہائے ہائے گل

مرنے کے بعد بھی ہیں وہی اسکی کاوشیں
کانٹے چڑھائے قبر پہ میری بجائے گل

کس گلبدن کے ابر سے [illegible]
شبنم سے کم نہیں مجھے موج ہوائے گل

کرتا ہے ہمسری رُخِ رنگین یار سے
بلبل سے کہدو اتنا نہ سر پر چڑھائے گل

تشنہ یہ کون رشکِ گُل آنکھوں میں پھر گیا
خوں ہے میری نگاہ میں رنگِ ادائے گل

درد و غم و رنج سے بنا ہوں
میں نالۂ ہجر کی صدا ہوں

تو خاک میں مثلِ نقشِ پا ہوں
پر راہرووں کا رہنما ہوں

اُس گل سے بہ رنگ نکہتِ گُل
ہمدوش ہوں اور پھر جُدا ہوں

نکلا نہ کبھی وہ قید غم سے
گویا کہ خود اپنا مدعا ہوں

کیوں دیتا ہے مجھکو چرخ گردش
گرداب ہوں میں نہ آسیا ہوں

سمجھو نہ سیاہ بخت مجھکو!
میں شہپرِ سایہ ہُما ہوں

موت آتی ہے نظر بیداد میں
آئینہ ہے خنجر فولاد میں

سُورج اِک سورج مکھی کا پھول ہے
الفتِ رخسارۂ صیاد میں

ہو گیا گر حشر میں جلوہ نصیب
دِن کٹے گا سب مبارکباد میں

خاک کا اک ڈھیر ہے گر دم نہو
دمدمہ دم کا ہے آدم زاد میں

دل کے ٹکڑے چشم گریاں میں نہیں
مچھلیاں ہیں آب رکنا باد میں

سچ تو یہ ہے تشنۂ ناکام کا
دم غنیمت ہے فریدآباد میں

اُسے بے مہر کیوں کہتا ہے ناصح!
کبھی تیرا بھی پالا پڑ چکا ہے؟

یہ بانکی چال! یہ ترچھی نگاہیں!
سمجھتے ہیں جو تو سمجھا ہوا ہے

آخر جفا کا خوگر ہم کو بنا کے چھوڑا — رشکِ عدو سے چھوٹے پھنسکر بلائے غم میں

سمجھے پری کا جان سے پھر جاتے ہیں رقیب — پھر کیوں تمھارے ساتھ وہ دن بھر پھرا کریں

مجھ خوگرِ جفا کو جفا کا جو غم نہیں — وہ یہ سمجھتے ہیں ابھی آتا ستم نہیں
رفتارِ یار فتنۂ محشر سے کم نہیں — ہے آفتابِ حشر یہ نقشِ قدم نہیں
نالوں سے میرے چونک اٹھی خفتگانِ خاک — فرقت کی رات روزِ قیامت سے کم نہیں
لذت کو میرے درد کی وہ پاگئے نہوں — کہتے ہیں آجکل انہیں فکرِ ستم نہیں
شیشہ کی طرح توڑ نہ تو دل کو محتسب — گھر ہے خدا کا یہ کوئی بیت الصنم نہیں
یوں پوچھتے ہیں وہ دلبری سے دل کی بات — گویا کہ دل چرانیکا مجھپر بھرم نہیں
تشنہ کا دل نکل گیا تیرے پیچ سے — کل کا سا کاکلو میں تیرے پیچ و خم نہیں

ہو گیا ہے اسقدر گاہیدہ اب وحشی ترا — صورتِ زنجیر ہے چاکِ گریباں پانو میں

زلفِ جاناں کی لیں بلائیں ہم — اپنے سر پر بلا بلائیں ہم؟
چشمِ میگوں اگر ہو پیشِ نظر — جامِ مے کو نہ منھ لگائیں ہم
کہتے ہیں آبِ تیغ سے تشنہ — آپ کی تشنگی بجھائیں ہم؟

کر گیا اُنپہ اثر عشق میرا کہتے ہیں — تھامے پھرتے ہیں وہ آج اپنا جگر کہتے ہیں

کل برا حال تھا تشنہ کا خدا خیر کرے — مرگیا آج کوئی خستہ جگر کہتے ہیں

الٰہی! کس کی چشم مست یہ آنکھوں میں پھرتی ہے — کہ وقت میکشی اشکوں سے ہم ساغر کو بھرتے ہیں
کسی کو وصل کی خواہش ہے ہمکو آرزو مرگ — کوئی جینے پہ دم دیتا ہے یہاں مرنے پہ مرتے ہیں
نہ کرتا تھا جدا جس دل کو میں دم بھر بھی پہلو سے — ستم ہے آپ اُسکو اسطرح پامال کرتے ہیں
چھپا رکھا ہے زلفوں نے رخ پر نور جاناں کو — خدا کی شان ہے ہندو بھی قرآن حفظ کرتے ہیں
امید وصل روح افزا فراق یار جاں فرسا — عجب کچھ کشمکش میں ہیں نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

مرگئے مرنا چھوٹ گیا دلدار پر — جی گیا کیا میر گویا جی گیا

زلف کی گیسو کی خط کی خال کی رخسار کی — دل کے ویرانہ میں ہے بستی انھیں پانچ کی
داغہائے دل کی میرے دیکھیے آکر بہار — سیر کرنی ہے جو اے رشک چمن گلزار کی
مہربانی بھی تمہاری کیا ستم آمیز ہے — جی کٹا جاتا ہے حالت دیکھکر اغیار کی

ستم انداز ناز آفت غضب چال — تیری ہر بات تجھسے دلربا ہے
بہت مشکل تھا عزت سے گذرنا — تیری الفت بڑی مشکل کشا ہے

اس کے تیر نگاہ کی تاثیر — ایسی ہے جیسی آہ کی تاثیر
دیکھو اندھیر بخت غیر میں ہے — اس رخ رشک ماہ کی تاثیر

آنکھ لڑتے ہی لڑگئی قسمت
دیکھیئےگا نگاہ کی تاثیر
اور وہ شعلہ رو بھڑک اُٹھا
خاک اے سوز آہ کی تاثیر
پانی مانگا نہ ہائے تشنہ نے
دیکھ لی تمنے چاہ کی تاثیر

شوقِ دیدار میں تیرے بیدید
دیکھ لے طاقتِ نگاہ نہیں
تارے گن گن کے راتیں کٹتی ہیں
جب سے پہلو میں رشکِ ماہ نہیں
لے گئی کچھ نگاہ دزدیدہ
زلف تیرا تو روسیاہ نہیں
محتسب میکشوں پہ یہ بیداد
تجھکو کچھ خوفِ بادشاہ نہیں
جھانکتے پھرتے ہو کنوئیں تشنہ
اب بھی کہدو کسی کی چاہ نہیں

نہیں ہے تپ عشق گر شمع محفل
پسینےمیں کیوں تو نہائی ہوئی ہے
خطا زلفِ مشکیں کی اُسکی نہیں کچھ
یہ دل تیری آفت اُٹھائی ہوئی ہے
کہاں تاب تھی شمع کو ہمسری کی
کسی کی لگائی بجھائی ہوئی ہے
ہماری بلا سے جو ہے زلفِ سرکش
تمھاری ہی تو سر چڑھائی ہوئی ہے
مگر لڑگئی آج کچھ اپنی قسمت
کہ غیروں سے اُن کی لڑائی ہوئی ہے
لب جاں فزا کی محبت میں تشنہ
لبوں پر میری جان آئی ہوئی ہے

یارب نہ کسی کو بھی ہو آزارِ محبت
دشمن کا بھی دشمن نہو بیمارِ محبت
جائے نہ مری دل سے خیالِ رخِ جاناں
یارب ترو تازہ رہے گلزارِ محبت

اے چارہ گرو چھوڑ دو تشنہ کو خدا پر | بچتا بھی سُنا ہے کہیں بیمار محبت

بے وفا لکھا اُسے القاب میں | فرق آخر آگیا آداب میں
وصلِ مہرو اور رقیبِ رو سیاہ | ہائے یہ اندھیر اس مہتاب میں
بختِ خفتہ آنکھ لگنے دے ذرا | وعدہ آنے کا کیا ہے خواب میں
تیرا کُشتہ زندۂ جاوید ہے | کِسکا ماتم ہے مرے احباب میں

میری صورت سے جو تجھکو بیر ہے | اب تو آ ظالم کہ صورت غیر ہے

کِسی کا پاس بھی تجھکو فغاں ہے | تہ و بالا زمیں و آسماں ہے
نہیں ہے عشق اُس موئے کمر کا | یہ میری بے نشانی کا نشاں ہے
میری آنکھوں میں پھرتی ہیں وہ آنکھیں | میرے دل میں وہ میرا دلستاں ہے
نہیں جب طاقتِ پروازِ صیاد | تو پھر یکساں قفس اور بوستاں ہے
گذر مجھ خفتہ طالع کا ہو کیونکر | کہ بختِ غیر چشمِ پاسباں ہے
عدو کو آسماں تک سایۂ مہر | میرے حق میں زمیں بھی آسماں ہے
ہمیشہ شور و غل سے ہے اِسے کام | میرا دل گویا ناصح کی زباں ہے
زمینِ مرقدِ مضطر کو تیرے | ہمیشہ چرخ مثلِ آسماں ہے
خیالِ عارضِ جاناں ہے دل میں | یہ ویرانہ بھی رشکِ گلستاں ہے

ہجر میں اپنے حشر قامت کے
نالے کرتے ہیں ہم قیامت کے

کہتے ہیں پھول اُٹھا کے تربت کے
بس یہی پھل ہیں نخلِ الفت کے

نہیں سینہ پہ داغ حسرت کے
گل کھلائے ہوئے ہیں اَلفت کے

کیا ڈریں ہم عذابِ دوزخ سے
صدمہ جھیلے ہیں تیری فرقت کے

کعبۂ دل بنے صنم خانہ
کارخانے ہیں اُس کی قدرت کے

ہیں پیاسے وہ خون کے تشنہ
آپ بھوکے ہیں جن کی اُلفت کے

رنگِ گل باقی ہے بلبل کا جگر باقی ہے
فصلِ گُل کا ابھی گلشن میں اثر باقی ہے

خونِ دل باقی نہ اب لختِ جگر باقی ہے
مجھ میں کیا دیکھ تو لے دیدۂ تر باقی ہے

نیم جان چھوڑ کے جاتے ہو کہاں عاشق کو
رات آدھی ابھی اے رشکِ قمر باقی ہے

کیسی توبہ! بہار ہے تشنہ؟
پی بھی لیجیگا ھرچہ بادا باد

رشک دشمن کی شکایت نہیں لا نا منہ پہ
کہیں ایسا نہو ناصح یہی تدبیر کرے

نہ کرنا وصل سے انکار دیکھو!
دہن ہو جائیگا ثابت نہیں سے

کرنی نہ تھی شکایت ناکامیٔ وصال
وہ وہ ستم کئے کہ میرا کام ہوگیا

آنکھ بھر کر اب نہ دیکھیں گے کسی بیدید کو ۔۔۔ تیری آنکھیں دیکھ کر اے یار آنکھیں ہو گئیں

آنکھوں میں پھر گئی جو دمِ نزع چشمِ یار ۔۔۔ تلخیِ مرگ ہو گئی تلخی شراب کی

الفتِ شعلہ رُخاں رکھتی ہے بیتاب مجھے ۔۔۔ ایکدم چین نہیں صورت سیماب مجھے

صورت وہ بھولی بھولی کہ بس کچھ نہ پوچھئے ۔۔۔ باتیں وہ پیاری پیاری کہ میں تم سے کیا کہوں

آتی ہیں یاد کیا کیا ہمکو تمھاری باتیں ۔۔۔ وہ بھولی بھولی صورت وہ پیاری پیاری باتیں
کمبخت اپنے دل سے ناچار ہے نہیں تو ۔۔۔ تشنہ اور اسطرح سے سن لے تمہاری باتیں

ذرا ہوش میں آؤ جی کو سنبھالو! ۔۔۔ تمھیں آج تشنہ یہ کیا ہو گیا ہے

مر گیا آج ترا تشنۂ وحشی شاید ۔۔۔ خاک اُڑاتی ہوئی صحرا سے صبا آتی ہے

اِس بحرِ جہاں میں اپنی ہستی ۔۔۔ ہے مثلِ حباب ایک دم کی

بادۂ و جام ایں!! یہ کیا؟ تشنہ! ۔۔۔ تم تو کہتے تھے پارسا ہوں میں
شیخ بے حور پی نہیں سکتے ۔۔۔ اُسپہ کہتے ہیں پارسا ہوں میں

چارہ گر اُس چشم کے بیمار کو
ہوگی صحت شربتِ دیدار سے

تشنۂ مضطر کی یارب خیر ہو
چارہ گر پھرتے ہیں کچھ ناچار سے

یاد آتی ہے چشمِ مستانہ
دورِ گردوں ہے دورِ پیمانہ

آنکھیں کھلجائیں حضرتِ ناصح
دیکھ لو گر وہ نیمخواب آنکھیں

ساقیا جلد بھر دے ساغرِ مے
بھر نجائے ہمارا پیمانہ

ابروئے جاناں نہیں خنجر سہی
جان دینے کے لیئے کیا چاہیے

امتحانِ عشق اور وہ نازنیں
اسکو پتھر کا کلیجہ چاہیے -

ایک ہم ہیں کہ نہیں جور کا شکوہ ہمکو
ایک وہ ہیں کہ شکایت کا گلہ کرتے ہیں

یوں بے گناہ قتل ہو تشنہ سا نوجواں
ہے ہے یہ کیا ستم فلکِ پیر نے کیا

شب کو جو اُسکی زلفِ گرہ گیر کھل گئی
قسمت ہماری جاگ اُٹھی تقدیر کھل گئی

اس فتنہ گر کے آتے ہی دم بند ہو گیا
ناصح کی آج خوبیٔ تقریر کھل گئی

بھر کے اک آہ گر پڑا کس لئے فرش خاک پر
بیٹھے بٹھائے ہو گیا تشنۂ خستہ جاں کو کیا

کب تک نہ بگڑوں دم پہ لے تند خو بیاری
ناصح کی بات آخر رشک عدو بنادی

افسوس صدمۂ غم ہجراں سے مر گیا
میں چاہتا تھا جان کو تم پر فدا کروں۔

دو نفی سے ہوئی ثابت اثبات
جب نہیں سے دہن یار کھلا۔

نزع میں دیکھا جب بیدید کو
پھر گئیں آنکھیں تڑپنے دل بھی

رشک نے پھیر دیا اس سے میرا دل ناصح
کام جو تجھ سے نکلنا تھا عدو سے نکلا

کیوں نہ دل سے لگائے رکھوں داغ
میرے دلدار کی نشانی ہے

دل سے لب تک بھی آ نہیں سکتی
ایک دم میں دھوئیں اڑا دیگی

آہ بھی مجھ سے ناتواں ہے کیا؟
آہ کے آگے آسماں ہے کیا

میکدہ اور آپ تشنہ خیر ہے؟
آ نہیں چلتی قیامت کس لئے

آج یہ کیا جی میں حسرت آگئی
یا الٰہی کیا قیامت آگئی

کسی نے منہ لگایا ہے انہیں آج
ٹپکتی ہے خوشی جام و سبو سے

دہن کا بوسہ مانگا تو وہ بولے
نہایت تنگ ہوں اِس گفتگو سے

کسی کا نشہ اُترے گا ضرور آج
چڑھی ہی تیوری ہیں ترشرو سے

یہی گر گریہ و زاری ہے تشنہ
تو حضرت ہاتھ دھو لو آبرو سے

دُرِ دنداں مجھے رلاتے ہیں
آبرو ابر کی گھٹاتے ہیں

شکوۂ جور پر ستم دیکھو
اُلٹے - سیدھی ہمیں سناتے ہیں

ہم نہیں ہیں جو اُنکے پروانے
کیوں ہمیں شمع رو جلاتے ہیں

قتل کرتے ہیں عاشقوں کو وہ
وجہ پوچھو تو آزماتے ہیں -

بدلے پھولوں کے قبرِ عاشق پر
گلبدن تیوری چڑھاتے ہیں

ہمسے آتا ہے گر حجاب اُنھیں
ناز بھی پھر وہ کیوں دکھاتے ہیں

شیخ ناداں ہے پی ہی لو تشنہ
کِس کی باتوں پہ آپ جاتے ہیں

قدر کرنی تھی تمکو تشنہ کی
ایسے مشکل سے ہاتھ آتے ہیں

آگ سی لگ رہی ہے سینہ میں
آتشیں رخ دکھا دیا کس نے ؟

آگیا کِس کا مُسکرانا یاد ؟
ہنستے ہنستے رُلا دیا کِس نے ؟

آئینہ بن گیا ہے کیوں تصویر ؟
اِسکو چہرہ دکھا دیا کِس نے ؟

بھولکر بھی نہ مجھکو یاد کیا
تمکو ایسا پڑھا دیا کس نے ؟

نہ چمکیگا تمہارا حسن دودِ آہ کے آگے
نہیں دیکھا کہ چھا جاتی ہے بدلی ماہِ روشن پر

گرچہ آنکھوں میں رہا لختِ جگر کی صورت
صورت اسکی نظر آئی نہ نظر کی صورت

شیخ حوروں نے کہاں پائی بشر کی صورت
اور صورت بھی ہے رشکِ قمر کی صورت

دیکھو! دیکھوگے خنجر تم میرے سر کی صورت
سامنے سے میری آنکھوں کے جو سر کی صورت

نظر آتی نہیں آنکھوں سے نظر کی صورت
ہے تیرا ہی کمر تیری کمر کی صورت

پردہ رہجائیگا اے پردہ نشیں میرا بھی
در پہ رہنے دے پڑا پردہ گو در کی صورت

خلد سے یاس ہی جاتی ہے لے خانہ خراب
گھر کئے لیتی ہے دل میں تیرے گھر کی صورت

داغ کھاتا ہے قمر شمع جلی جاتی ہے
دیکھلی ہے کہیں اُس رشکِ قمر کی صورت

اور بھی خاک میں گردوں نے ملایا ہمکو
اُس کے ملنے کی کوئی ہمنے اگر کی صورت

ہائے یوں قتل ہو تشنہ سا جواں شوخ مزاج
پھرتی ہے آنکھوں میں اُس خستہ جگر کی صورت

میں تجھپہ مروں اور تم اغیار کو چاہو
سب ایسے ہی ہوجائیں میری جان تو کیا ہو

بے مہری میں مشہور ہو گو ماہ لقا ہو
تم عید کے ہو چاند پر انگشت نما ہو

غش غیر پہ ہو ایسی کہ اپنا بھی نہیں ہوش
ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ تم ہوش رُبا ہو

دشمن کو کرو قتل کہ میں رشک سے جاں دوں
وہ ظلم کرو تم جو کسی نے نہ کیا ہو

اغیار مریں تجھپہ میں ہجر میں تڑپوں
جی جاتا رہے کاش دل آنیکی سزا ہو

بوسہ کی سزا ہے یہ مگیں کیونکہ نہ منہ سے
دشمن بھی یونہیں گالیاں کھائیں تو مزا ہو

دل دینا بُرا ہوتا ہے دیکھو مجھے دیکھو!
گر اپنا بھلا چاہو تو غیروں کو نہ چاہو

یہ ناز یہ انداز یہ غمزہ یہ کرشمہ — تم حور ہو غلمان ہو انسان ہو کیا ہو
کیوں ہوش اڑے جاتے ہیں مرغان چمن کے — گلشن میں کوئی آج نیا گل نہ کھلا ہو
حوروں کی محبت میں جب آیا ہی خدا یاد — اے شیخ اگر دیکھ لو اس بت کو تو کیا ہو
نادان ہو تشنہ جو سمجھتے ہو وفادار — پچھتاؤ گے - باز آؤ - وہ ظالم ہے - بچا ہو

تڑپ رہا ہوں پڑا مرغ نیم جاں کی طرح — نہیں ہے قابو میں دل یار دلستاں کی طرح
ہمیشہ رہتے ہیں فکر ستم میں سرگرداں — انھیں بھی چین نہیں ہے دل تپاں کی طرح
میں اُنکے بوسے لوں کچھ نہ کہہ سکیں مجھکو — مزا ہی ہو نہ زباں بھی اگر دہاں کی طرح
ملا ہے تشنۂ خوں ہے جو خنجر قاتل — گلے تو ملتا ہے وہ یار مہرباں کی طرح

پھر اسیر الفت زلف دوتا ہونے لگے — پھر نئے سر سے بلا میں مبتلا ہونے لگے
عاشقوں کی جان دلبر پھر قیامت آگئی — پھر تمھاری چال سے فتنہ بپا ہونے لگے
پھر وہی بندھنے لگا زنجیر گیسو کا خیال — پھر ترے وحشی گرفتار بلا ہونے لگے
پھر کسی کی کاکل مشکیں کا سودا ہو گیا — پھر کسی کی تیغ ابرو پر فدا ہونے لگے
پھر کسی کی خامشی نیچی نظر یاد آگئی — پھر بلند آہ و فغاں شور و بکا ہونے لگے
تشنۂ ناشاد پھرتے ہو جگر تھامے ہوئے — پھر نہ کہنا ہم کسی پہ کیوں فدا ہونے لگے

دیکھنا غفلت نہ دیکھا آنکھ اٹھا کر بھی کبھی — ہاتھ سے اپنی گئے تھے مجھکو گھڑیاں دیکھکر

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۵	تہمت	تہمتن
"	۸	حائل	عائل
۳	۴	ساحت	ساعت
"	۵	ژاند	زند
۵	۱	اصلاح	اصطلاح
۶	۸	جوہر	جواہر
۷	"	ند	×
۷	۱	تعریفیں	تعریض
۸	۱۰	شرکت	شوکت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۱۴	درجہ کا	کے
۱۸	۴	یا	کا
۲۴	۷	جوہر	جواہر
۲۵	۱	فرمانبرداران	فرمانبرداروں
۳۰	۹	جوڑی	جوئی
"	۱۰	گیڈہ	گینڈہ
۴۱	۵	اورن کی	اور اُن کی
۴۵	۹	جاتی ہے	گئی
۴۸	۸	سرمایۂ تار	سرمایۂ ناز
۴۹	۳	آوازہ	آواز
۵۰	آخر	دلوجان	دل وجان
۵۸	۱۴	و آج	وہ آج
۵۹	۱۶	لڑکوں کھیل	لڑکوں کا کھیل

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱	آدم کے ساتھ	دم کے ساتھ
"	۹	سمط	مسمّط
۲	۱	بتائے	بنائے
"	۱۶	اک	ایک
۳	۹	ہے	سے
"	۱۰	رنگ کے	رنگ کا
"	"	کا	×
۶	۳	میشاذ	یہ شاذ
"	۱۶	سے	ہے
"	۱۷	میر	میرا
۷	۷	کی ہی	کی سی
۸	۱۷	تتا کا	تا کا
۱۱	۱۷	کیا کرتا تھا	کیا کرتے تھے
۱۳	۴	ایسے	سب ایسے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳	۹	در	دو
"	۱۰	لکان	مکان
"	۱۱	سنگڈلوں	سنگدلوں
"	آخر	تکمل	تکمیل
"	"	ثنوی	مثنوی
۱۳	۷	معنے سے	ایک معنی سے
"	۱۰	تف ونشر	لف ونشر
"	۱۶	لاتے	لانے
۱۴	۳	جگ نوفل	جنگ نوفل
۱۵	۱۱	زہر	زہرہ
۱۷	۷	بزنجیر فیل	زنجیر فیل
۲۰	۲	ارد آسیہ	آرد آبہ
"	۳	شورایہ	شوراب
"	۵	گھڑب	گھڑت
"	۶	پُراوہ	پڑاوہ
"	۹	سربندی	سہ بندی
۲۱	۵	کھاوئے	کھاؤ
"	۱۷	ھی ہے	نفی ہی
۲۲	۴	ماضی تمنا کی	ماضی تمنائی
"	۱۱	محاف معنی	مختلف معنی
۲۴	۱۳	گوار	گُوار
۲۶	۱	چلتے	جلتے
"	۱۶	لعنت	آفت
۲۷	۱۲	پیرا سا	بڑا سا
۲۸	۳	تلوار	تلوار کا
"	آخر	کانڈی	گانڈے
۲۹	۹	آنکھوں سرگرانا	آنکھوں سے گرانا
"	۱۵	بڑھئی کرنا	ٹیڑھی کرنا
۳۰	۶	آنکھیں منڈنا	آنکھیں مُندنا
۳۲	۱۵	مرک کرنا	ترک کرنا
۳۵	۳	دم رکھنا	دم رُکنا
۳۸	۱۰	جلد کرنا	چلا کرنا
۴۲	۸	کسی نے	کیسی نے
۴۴	۵	شنائی	بہ ثنائی
"	"	پونچا	پہنچا
۴۵	۱۲	کل چاندنی	گل چاندنی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۲	شفقی ہر روز	شفقی ہیں ہر روز
۴	۲	دل غم	دل ہے غم
〃	آخر	سر ہیں سے	سر سے ہیں
۵	۲	سودر	سودا
۶	۴	زہر جنداں	زیر دنداں
〃	۱۰	مٹے جاتے ہیں	سٹے جاتے ہیں
۹	۱	لب	اب
۱۰	۴	بھی آپ	بھی ہے آپ
۱۰	۹	دل ترا ندو	دل میں ترا ڈو
۱۰	۱	اس	اوس
〃	آخر	ہمن مزید	ہل من مزید
۱۲	۷	ابر برہمن	ابر بہمن
۱۳	۳	ننھے سا	منہ چھوٹا سا
۱۴	آخر	پائیگا جال کا	جال کا پائیگا
۱۵	۲	نقش دوم	نقش درم
۲۰	۱۱	نگاہ	لگا
۲۴	۶	خوشخبری	خوشخبر
۲۷	۵	دیوان	دیوانوں کے
۲۸	۹	سیاہ	روسیاہ
۳۱	آخر	ماسکا	یارکا
۳۴	۵	جان ہیں وصول	جانِ من وصال
۳۹	۸	وعدہ کو جو	جو وعدہ کو
۴۱	۱	ہیں تو	ہیں بھی تو
۵۱	۲	پیٹے	پیئیں
۵۲	۱	کدگس گنہ	کہ کس گنہ
۵۴	۶	کو بھی	کو پھر بھی
۵۹	۹	رفو	لہو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۵	۵	پیچھے سرمہ	پیچھے ہم نے سرنامہ
〃	۷	مرجاں	مرجان
۷۶	۵	دل لے	دل سے اے
۸۰	۸	تُربت اگر	تربت پر اگر
۸۴	۳	ساقی یا رہی	ساقی ! رہی
〃	۹	محنت	محبت
۸۵	۱	کہن	کہیں
۸۶	۵	پھر دیگا	پھیر دیگا
۸۷	۶	مہماں	میہمان
۹۱	۵	چھیڑ کے	چھیڑ کر
۹۸	آخر	تو بھر	تو آہ بھر
۱۰۳	۵	سرزمین	سزا میں
〃	۹	کیونکر	کیوں
۱۰۸	۲	سنگ کے	تنگ کے
۱۱۵	۹	لے چکو	لے چلو
۱۱۷	۸	قاتل کا	قاتل کے
۱۱۸	۶	بنیا اپنا	جینا اپنا
〃	۱۲	بلبل ہے	بُلبُل کا
۱۲۱	۲	آنکھوں سے	اشکوں سے
۱۲۲	۱۵	کسی کی	کسی کو
۱۲۷	۵	تب بیدبد	بُت بیدید
۱۲۹	۱۵	جی جاتا ہے	جی جاتا ہی
〃	۱۶	سنین	میں

تمت

اردو

یعنی نام - یہی زبان - یہی بیان - نہ باتوں کی طوطی مینا - نہ لفظوں کے گل پھول - نہ جھوٹے قصے کہانی - نہ شاعرانہ ڈھکوسلے - بلکہ محاوروں کی کان - اصطلاحوں کا مخزن - ضرب الامثال کا گنجینہ - فن انشاء کا سرمایہ - صنائع بدائع کا دریا - جدید و قدیم خیالات کا آئینہ - لٹریچر کی روح - اہل زبان کا رفیق تفریح - شعراء کا انیس خلوت - طلباء کا ادیب مشفق - روحانی تصویروں کا البم - الفاظ سے تصویر کھینچنے کا آلہ - خیالات کے رنگ دکھانے بگلا موتو - جو کچھ کہو زیبا اور شایاں - مخففات کتابت - مستثنیات قواعد - لوازم عبارت - الفاظ کی تحقیقات - شعراء کی تشبیہات - شعر و شاعری کی ماہیت - نظم کی تاریخ - مخترعات نظم کے بزرگ موجد - دہلی و لکھنو کا قول فیصل - دبیر و انیس کا محاکمہ - ہر ایک مدلل و مختصر - اردو کیونکر پیدا ہوئی ؟ کیا تھی ؟ کیا ہے ؟ کیا ہونا چاہئے ؟ کیونکر ہو ؟ ہر سوال کا جواب شافی المختصر باب نثر پاکیزہ - ستھری میٹھی ٹکسالی زبان میں فلسفیانہ رایوں کا مجموعہ ہے ! اور باب نظم چالیس دیوانوں کا انتخاب - اساتذۂ مشاہیر کے دماغ کا پسینا - ہر شعر نازک - لطیف - برجستہ - بیساختہ - باب سوم - ہزاروں حقائق و دقائق - مفید - ضروری - کتاب کیا زبان کی جان ہے - تینوں باب گویا مجموعہ کا عطر ہیں - یا خریطۂ جواہر یا خنجر کی آبداری نشتر میں

سفید کاغذ - ۱۶ جزو - قیمت صرف ۱۲ ار

المشتہر

سید سعادت علی رئیس فرید آباد ضلع دہلی

نوٹس

۱۔ جس کتاب پر میرے یا مؤلف کے دستخط نہ ہوں وہ مسروقہ ہے۔

۲۔ درخواست پر واپسی کا صرف ڈاک ذمہ خریدار۔

۳۔ ایک دو جلد کے خریدار ٹکٹ بھیجیں تو گم ہونے کے وہی ذمہ دار ہیں۔

۴۔ ۱۲ جلد کے خریدار کو ایک جلد مفت۔

۵۔ مفلس شائق طلبا کے ساتھ محصول کی تخفیف۔

۶۔ تاجروں کو بیس روپیہ سیکڑہ کمیشن۔

۷۔ عام قاعدہ خریداروں کے واسطے۔

۵	روپے پر	.. ..	ا ر	فی روپیہ
۱۰	″ تک	.. ..	ا ﮬ ر	″ ″
۲۰	″ تک	.. ..	۲ ر	″ ″
۳۰	″ تک	.. ..	۲ ر	″ ″
۳۰	″ سے زیادہ پر	.. ..	۳ ر	″ ″

۸۔ امور تصفیہ طلب بذریعہ خط و کتابت طے کریں۔

المشتہر

سید سعادت علی فرید آباد ضلع دہلی